شہرِ آشوب

امتل عزیز شہزاد

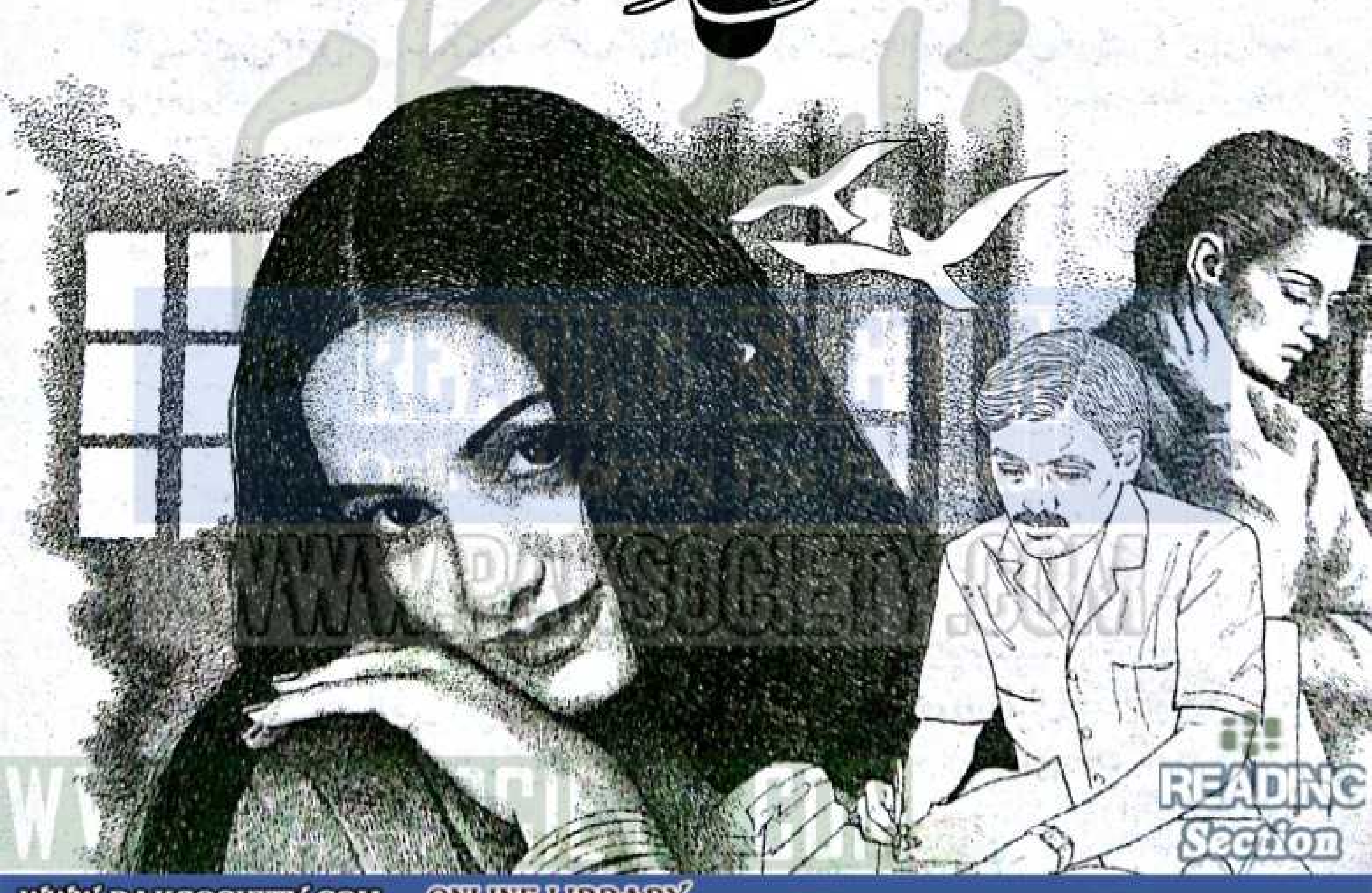
شہرِ آشوب

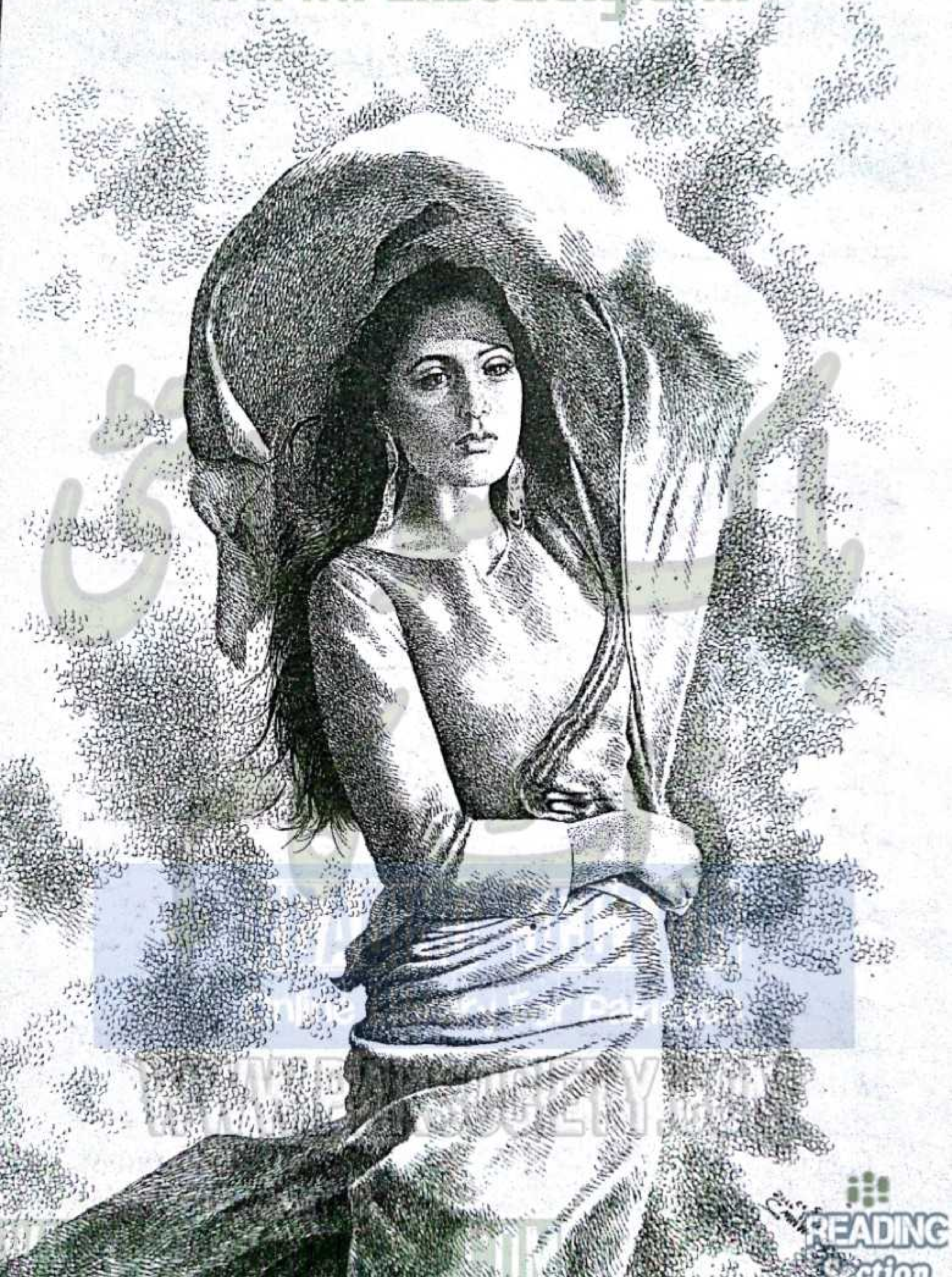
امتل عزیز شہزاد

ڈھلتی شام کا سمے تھا۔ شہر کے ایک مشہور اور مہنگے شاپنگ سینٹر میں خلق خدا کی تعداد دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ اس غریب ملک میں کوئی ٹینشن بھی ہے۔ مگر یخ بستہ شاپنگ سینٹر کی چمچماتی دکانوں اور لشکتے درو دیوار سے باہر روڈ پر سے گزرتے عوام کے چہرے بہت سی ان کہی داستانیں سنا رہے تھے۔ بائیک والے، سائیکل والے، چھوٹی گاڑی، بڑی گاڑی، ویگنیں ہیں۔

لگتا تھا کہ سارا شہر اسی ایک روڈ پر جمع ہو گیا ہے۔

ایک ڈھلتی عمر کی پریشان مگر صبیح چہرے والی عورت بادامی چادر کی بکل مارے شاپنگ سینٹر کے مقابل روڈ پر کافی دیر سے غالباً "سڑک پار کرنے کی منتظر تھی۔ مگر ٹریفک کا ریلا لمحہ بھر کو بھی نہ تھما تھا۔ پیڈیسٹرن برج کافی دور تھا اور وہ عورت جانتی تھی کہ اسے اپنی لنگڑاتی ٹانگ کو گھسیٹ کر وہاں تک لے جانا، جان جوکھوں کا کام ہوگا اسی لیے وہ چاروناچار یہیں کھڑی محو انتظار تھی کہ کب موقع ملے اور وہ سڑک پار کرلے۔ اس نے اک بے زار سی نگاہ شاپنگ سینٹر کے سیدھے ہاتھ پر کھڑی خوب صورت عمارت پر ڈالی جہاں اسے کوئی کام تھا اور تب ہی اس کی نگاہ ۔ شاپنگ سینٹر کے آٹومیٹک گلاس ڈور سے باہر آتی اک نوعمر سی لڑکی پر پڑی۔ ایک لحظہ اس کی بڑی مگر جھریوں زدہ سی آنکھوں سے الجھن مترشح ہوئی۔ اس لڑکی نے اپنے دونوں





ہاتھوں میں تھامے بہت سے شاپنگ بیگز سڑک پر کھڑی گاڑی میں ڈھیر کردیے اور مڑکر شاپنگ سینٹر کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی۔ وہ غالباً" کسی کی منتظر تھی۔ تب ہی ایک ماڈرن سی پختہ عمر کی عورت اس کی جانب آتی دکھائی دی۔ عورت نے نزدیک آکر لڑکی سے کچھ کہا تھا۔ اس کے بعد دونوں مسکراتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئیں اور ڈرائیور تو جیسے تیار ہی تھا۔ فوراً" گاڑی پیچھے کرنے لگا۔ سڑک کے دوسری جانب کھڑی عورت جواب تک گویا بے جان سی کھڑی تھی' ایک جھٹکے سے ہوش میں آئی۔

"سنو... رکو..." وہ حلق کے بل چیخی۔ مگر اس مصروف ترین سڑک کے شور مچاتے ٹریفک کے سامنے اس کی آواز اپنی موت آپ مرگئی۔

"بات سنو میری... رکو۔" اب کی بار وہ کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں فٹ پاتھ سے سڑک پر اتر آئی تھی۔

"ٹھہرو... رکو۔" وہ ایک مرتبہ پھر ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔

بیک وقت کئی گاڑیوں کے ٹائر چرچرائے تھے۔

☆ ☆ ☆

جس وقت اجیہ اور مہ پارہ کی گاڑی "فاروقی ہاؤس" کے ماربل سے بنے پورٹیکو میں رکی۔ آسمان پر اجالا آخری سانسیں لے رہا تھا۔

"توبہ خالہ جانی! یہ شاپنگ کرنا بھی کتنا بورنگ کام ہے۔" وہ اپنے کل وقتی ملازم شریف کو آواز دے کر سامان اندر پہنچانے کا کہہ کر گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھتی ہوئی گویا ہوئی۔

"شاپنگ واقعی بورنگ کام ہے' اگر کسی دوسرے کے لیے کی جائے تو۔" مہ پارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں خوب صورت ہری گھاس سے مزین لان عبور کرکے جس وقت براؤن لکڑی کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئیں' سامنے ہی فان کلر کے صوفے پر وقار جمیل فاروقی بیٹھے کوئی نیوز چینل دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے ٹیبل پر چائے دھری تھی۔

"السلام علیکم بابا!" اجیہ ان کے برابر میں تھکے تھکے سے انداز میں ڈھیر ہوکر بولی اور اپنے گورے گورے ملائم خرگوش سے پیر کالی سینڈل سے آزاد کرکے صوفے ہی پر رکھ لیے۔

"وعلیکم السلام... خیر سے کر آئے آپ لوگ شاپنگ؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا۔

"بس بھائی صاحب..." مہ پارہ بھی ان کے سامنے رکھے صوفے پر آرام دہ انداز سے براجمان ہوتے ہوئے بولیں۔

"جن کے لیے اتنی محنت کی ہے انہیں شاپنگ پسند آجائے تو سمجھیے محنت وصول ہوگئی۔"

"آجائے گی اسے بھی پسند آجائے گی' ویسے بھی اسے کیا معلوم زنانہ شاپنگ کا۔" وہ تسلی دینے والے انداز میں دھیمے سے مسکراکر بولے۔

"رہنے دیں بابا' انہیں تو جیسے اپنی شادی سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ کسی بھی چیز کے متعلق رائے لو عجیب سنجیدہ سا منہ بناکر کہتے ہیں۔ "جیسے تمہاری مرضی" صاف جتارہے ہیں کہ تم لوگوں ہی کو میری شادی کا شوق چڑھا ہے' تو خود ہی سارے معاملات بھگتو' مجھے کیا؟" اجیہ تھوڑی خفگی سے بولی اور پاس دھرے شاپنگ بیگز جو شریف ابھی یہاں رکھ کر گیا تھا' اپنے قریب کرکے اس میں سے مہنگے بوتیکز سے خریدے گئے فیشن کے عین مطابق خوش رنگ کپڑے باہر ڈھیر کرنے لگی۔ اس کی بات پر مہ پارہ اور فاروقی صاحب کچھ نہ بولے' البتہ دونوں ہی کچھ بے چین سے ہوگئے۔ تب ہی ان کی کل وقتی ملازمہ لالی نے ان سے چائے کا پوچھنے کے لیے وہاں جھانکا۔

"واہ۔ واہ ماشاء اللہ چھوٹی بیگم کی شاپنگ کی ہے؟" وہ اشتیاق سے پھیلے زرق برق لباس دیکھنے گئی۔

"ہاں... چلو یہ پھیلاوا سمیٹو یہاں سے اور ذرا اسٹرونگ سی چائے بناکر لاؤ۔" مہ پارہ نے نپے تلے لہجہ میں کہا۔

"اچھا جی۔۔۔" اس نے اپنے اشتیاق پر قابو پایا اور کپڑے و دیگر اشیا سمیٹ کر سامنے سے اوپر جاتی سیڑھیوں پر چلتی چلی گئی۔ اس کا رخ سائر فاروقی کے کمرے کی جانب تھا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں بابا' اجیہ نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا "اگلی بار اگر بھائی جان نے اپنی شادی کے کسی بھی معاملے میں بے دلی دکھائی تو میں ان کی شادی کا بائیکاٹ کردوں گی۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔

"ریلیکس اجیہ بیٹا۔۔۔ سنجیدہ مزاج لڑکا ہے' اس لیے اس طرح کرتا ہے' ورنہ تو شادی ہرگز ایسا معاملہ نہیں ہے جس کو اتنا لائٹ لیا جائے۔" مہ پارہ بولیں۔ ان کا لہجہ ہلکا پھلکا تھا۔

"پتا نہیں سنجیدہ ہے یا کیا پرابلم ہے۔ پچھلے سنڈے میں نے اپنی فرینڈز کو ہلہ گلہ کرنے کی غرض سے گھر پر انوائیٹ کیا۔ ابھی ہم نے ڈھولک رکھی ہی تھی کہ وہ آدھمکے اور لگے مجھے ڈانٹنے۔ ذرا بھی خوشی نہیں ہے انہیں اور نہ ہی وہ کسی اور کو خوشی منانے دینا چاہتے ہیں۔ یہ تو آپ آئی ہیں تو ذرا گھر میں شادی والا ماحول لگ رہا ہے' ورنہ تو لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ کوئی شادی کا گھر ہے۔"

"اچھا بیٹا! تم شاور لے کر فریش ہوجاؤ' پھر ڈنر کا ٹائم ہوجائے گا۔" فاروقی صاحب نے جیسے اسے ٹالا تھا۔ وہ سر ہلا کر اپنے کمرے کی جانب چل دی۔ "بھائی صاحب۔۔۔ کیا آپ سائر کی شادی زور زبردستی سے کررہے ہیں اپنے دوست کی بیٹی کے ساتھ؟ آپ نے پوچھ تو لیا تھا نا' کہیں وہ کسی اور کو پسند تو نہیں کرتا؟" اجیہ کے جانے کے بعد وہ ان سے تشویش ناک لہجے میں استفسار کرنے لگیں۔

"مہ پارہ تم آخری بار کب پاکستان آئی تھیں؟ غالباً "نو سال قبل اس وقت سائر انٹر کا طالب علم تھا۔ تب سے اب تک اس کی شخصیت میں کئی واضح تبدیلیاں آچکی ہیں اور میں خود حیران ہوں کہ اسے کیا ہوگیا ہے۔" وہ اضطرابی انداز میں ٹی وی کی آواز بند کرکے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگے۔

"آپ سے فرینک ہے وہ؟"

"ہاں بالکل ہے' ہر بات آسانی سے وہ مجھ سے شیئر کرلیتا ہے۔" وہ تیقن بھرے لہجے میں بولے۔

"تب تو پھر اس نے شادی سے بدکنے کی وجہ بتائی ہوگی آپ کو؟" وہ بھی پر یقین' مگر سوالیہ لہجے میں بولیں۔

"وجہ اس نے بتائی تو نہیں' مگر میں جانتا ہوں۔" یک لخت ان کے لہجے میں پھنکار سی سنائی دینے لگی۔ مہ پارہ انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک اندرون کراچی کا پرانا علاقہ تھا۔ یہاں بنے

زیادہ تر مکانات پرانے اور مکین جو کبھی مڈل کلاس رہے ہوں گے۔ اب کئی سالوں سے اپنی کلاس کی کھوج میں تھے۔ یہاں بنے فلیٹس کی عمارتیں اتنی خستہ حال تھیں کہ اندیشہ تھا کہ کسی بھی وقت زمین بوس ہو جائیں گی، مگر ستم رسیدہ اور مجبور لوگ یہاں پر بسے رہنے پر مجبور تھے۔ انہیں پرانے بوسیدہ اور میلے کچیلے سے فلیٹس میں سے ایک فلیٹ کا رنگ اڑا' دروازہ وہ کھول رہی تھی۔ جس دم وہ دروازہ کھول کر اس نیم تاریک سیلن زدہ ایک مختصر سے صحن اور ایک کمرے پر مشتمل اس فلیٹ میں داخل ہوئی' اس کی طبیعت عجیب طرح سے بوجھل ہوئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کمرے کی واحد کھڑکی جو پیچھے گندی گلی میں کھلتی تھی کھول دی۔ بدبو کے ایک ثقیل جھونکے نے اس کا دماغ بھنا دیا۔ وہ پلٹ کر ایک سلیب پر مشتمل کچن میں آئی۔ کالی بدرنگی پتیلی کا ڈھکن اٹھا کر جھانکا' آلو کی ترکاری پیندے سے لگی تھی۔ وہیں کھڑے کھڑے لال رنگ کے ٹوٹے ہوئے ہاٹ پاٹ سے اس نے صبح کی بچی روٹی نکالی اور زہر مار کرنے لگی۔ وہ موجود تو بے شک یہاں تھی' مگر کل شام سے اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ روٹی کھا کر اور پرانے ہرے رنگ کے فریج سے جس کی ٹھنڈک کب کی عنقا ہو چکی تھی' پانی کی بوتل نکالی اور یوں ہی ہونٹوں سے لگالی۔ مگر جو آگ اس کے سینے میں دہک رہی تھی وہ اس پانی سے بھی نہیں بجھ سکتی تھی۔ اسی لیے بھنا کر اس نے بوتل سامنے دیوار پر دے ماری' اور اپنا گھومتا سر پکڑ کر بیٹھتی چلی گئی۔

"کہاں سے پاؤں تمہارا اپتا کہاں سے۔" وہ ہذیانی انداز سے چیخی۔ پھر یک بیک ہی اس کے بے بس وجود میں جیسے بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور لوہے کی الماری کھول کر اس نے جیسے ساری ہی اشیا باہر ڈھیر کر دیں۔ وہ دیوانوں کی طرح ڈھیر میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ پھر اس نے جھنجلا کر وہ سب وہیں پٹخا اور الماری کے لاکر جس میں پتا نہیں کون کون سے کاغذ موجود تھے' انہیں باہر نکالنے لگی۔ ڈائریاں' کاپیاں جن میں نہ جانے کون کون سا حساب کتاب درج تھا وہ اٹھا اٹھا کر دیوانوں کی طرح پھینکنے لگی۔ تب ہی اس کا پیر ایک سیاہ جلد والی پرانی ڈائری سے ٹکرایا۔ اس نے بے دلی سے اسے کھولا۔ تو ایک کاغذ اس کے ہاتھ آیا وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا نہ تھا۔ اسے گویا زندگی کا پروانہ مل گیا تھا۔ کچھ دیر قبل مضمحل سی بے بسی سے سسکتی "گل ناز بانو" اب ہذیانی انداز سے قہقہے لگا رہی تھی۔ بلند آہنگ۔۔۔ خوف ناک قہقہے۔

☆ ☆ ☆

ابراہیم خان آج سے بائیس تیئیس برس قبل اپنی وفا شعار و دمساز بیوی کے انتقال کے بعد بالکل نڈھال ہو کر رہ گئے تھے۔ ان دنوں وہ بریڈ فورڈ میں رہائش پذیر تھے۔ اپنی دو سالہ معصوم سی بیٹی میرب اور چار سالہ بیٹے حاشر ابراہیم کی پرورش اب وہ یہاں نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا ان کے مستقبل کی خاطر وطن لوٹ آئے کہ کچھ بھی ہو ان بچوں کے ننھیال ددھیال یہیں تھے۔ یہ الگ بات کہ دونوں بچے نانی' دادی سے بھی محروم ہی تھے۔ پھر ایسے میں کون تھا جو نہ صرف ان کی تربیت کرتا بلکہ پیار و محبت بھی نچھاور کرتا۔ کچھ عرصہ اپنوں کے بیچ رہنے کے بعد انہیں اندازہ ہوا کہ ان میں اور غیروں میں زیادہ فرق نہ تھا۔ ان ہی دنوں جب وہ یہاں اپنا کوئی بزنس شروع کرنا چاہ رہے تھے' اسی سلسلے میں ان کی ملاقات وقار فاروقی سے ہوئی اور یہ ملاقات کب گہری دوستی میں تبدیل ہو گئی پتا بھی نہ چلا۔ یہ وقار فاروقی ہی تھے جنہوں نے ابراہیم صاحب کو الگ گھر لے کر رہنے کا مشورہ دیا اور اس سلسلے میں ان کی معاونت بھی کی اور انہیں اپنے ایک اچھے دوست کے پڑوس میں خالی ہونے والا بنگلہ دلوا دیا۔ بعد ازاں وقت نے یہ فیصلہ درست ثابت کر دیا کہ احمد سعید جو ابراہیم صاحب کے پڑوسی اور وقار صاحب کے دوست تھے ان کی بیگم سعدیہ خاتون نے اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ ان کے دونوں بچوں خصوصاً" میرب کا اس طرح خیال رکھا کہ ابراہیم صاحب ان کے زیر بار ہی ہو گئے۔

دوسری جانب ماریہ اور میرب کی اتنی دوستی ہوگئی' گویا وہ سگی بہنیں ہوں۔ ماریہ اور میرب نے اپنی تعلیم بھی اکٹھا مکمل کی۔ جوں ہی ان کی تعلیم مکمل ہوئی ماریہ کی نسبت اس کے خالہ زاد احمد عباس جو کہ پیٹرولیم انجینیئر تھا کہ ساتھ طے کردی گئی۔ وقار بھی جیسے میرب کی تعلیم مکمل ہونے کے منتظر تھے۔ وہ بھی اپنے ہونہار خوبرو' سنجیدہ و متین اعلیٰ تعلیم یافتہ برخوردار سائر فاروقی کا رشتہ میرب کے لیے دے آئے۔ بظاہر تو اس رشتے سے انکار کا کوئی جواز نہیں تھا' اس لیے ابراہیم نے سعدیہ بیگم کے توسط سے میرب کا عندیہ لیا۔ سعدیہ' میرب کو کہیں نہ جانے دیتیں اگر جو سعد مان جاتا۔ سعد اپنی کسی کلاس فیلو میں انٹرسٹڈ تھا۔ میرب نے سائر کو دیکھا تھا' وہ ایک سنجیدہ کم گو اور اپنے آپ میں مگن رہنے والا انسان لگا تھا اسے۔ ابراہیم اور وقار کی دوستی کے باوجود ان کے بچوں کے درمیان دوستی تو درکنار بے تکلفی بھی نہیں تھی۔

بہرکیف۔۔۔ میرب کا کوئی خاص آئیڈیل نہ تھا۔ سو اس نے اچھی مشرقی لڑکیوں کی طرح بڑوں کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا۔

☼ ☼ ☼

''لالی سے کہہ کر گیسٹ رومز کی صفائی ستھرائی خود اپنی نگرانی میں اچھی طرح کروادی ہے۔ وقار بھائی بتا رہے تھے کل دوپہر کو پہنچیں گی تمہاری پھوپھیاں یہاں۔ میں چاہ رہی ہوں کہ مہمانوں کی آمد سے قبل ہی تمام ضروری کام نپٹ جائیں۔ ذرا دلہن کے سامان کی لسٹ لاؤ۔ دیکھوں تو' مبادا کچھ نہ رہ گیا ہو۔'' مہ پارہ بڑی مصروفیت آمیز لہجے میں کہتی اجیہ کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ اجیہ جو اپنے بیڈ پر نیم دراز ٹی وی دیکھنے میں منہمک تھی ان کی بات سن کر اور رائٹنگ ٹیبل کی دراز میں سے طے شدہ پرچا نکال کر انہیں تھمادیا۔

''ہوں۔۔۔'' مہ پارہ نے آرام دہ انداز سے کاؤچ پر بیٹھ کر پرچا تھام کر اسے کھولتے ہوئے پرسوچ ہنکارا بھرا۔

اکیس بھاری جوڑے' برائیڈلز' اس کے لوازمات' دلہن کے زیورات اور سونے کے کنگن' انہوں نے نگاہ اٹھا کر سنہری خوب صورت ڈبوں میں پیکٹ شدہ سامان جو احتیاط کے پیش نظر اجیہ کے کمرے میں رکھا ہوا تھا' کو دیکھا۔

''کنگن کہاں ہیں؟'' وہ پریشانی سے پوچھنے لگیں۔

''ان کی شاید پالش باقی رہ گئی تھی۔ سنار نے آج شام تک دینے کا کہا ہے۔ بھائی جان لیتے آئیں گے۔'' اجیہ نے بتایا۔

''بیٹا ایسا کرو تم ذرا فون کرکے اسے یاددہانی کروا دو' عجیب بھلکڑ لڑکا ہے' کہیں بھول ہی نہ جائے کل تو بری پہنچانی ہے ان لوگوں کو۔'' وہ فکرمندی سے بولیں تو اجیہ کو بے ساختہ ان پر پیار سا آگیا۔

''خالہ جانی۔۔۔'' اس نے بڑے پیار سے انہیں مخاطب کیا اور ان کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ویلیومی۔۔۔ آپ نے جس احسن طریقے سے اس شادی کا انتظام سنبھالا ہے میں تو مرکر بھی اتنی بہترین مینجمنٹ نہیں کرسکتی تھی۔''

''بے وقوف کہیں کی۔'' انہوں نے اس کے انداز پر نہال ہوکر اسے پیار سے چپت لگاتے ہوئے کہا۔

''میں تو بس اپنی سی کوشش کررہی ہوں کہ تم لوگوں کو کہیں کوئی کمی محسوس نہ ہو۔''

''مگر خالہ۔۔۔!'' یک لخت اجیہ کا مسکراتا چہرہ ماند پڑ گیا۔

''سب کچھ ہوتے ہوئے بھی زندگی میں کہیں کوئی کمی سی لگتی ہے۔'' اس کے دل سے ہوک نکلی' مہ پارہ بھی افسردگی سے بولیں۔

''سچ تو یہ ہے کہ ماں کی کمی کو کوئی پورا نہیں کرسکتا۔'' انہوں نے بے دلی سے سامان پرے کیا۔

''کبھی کبھی میں سوچتی ہوں تو مجھے ان لوگوں کی خوش قسمتی پر رشک آنے لگتا ہے' جن لوگوں نے امی کو دیکھ رکھا تھا۔ مجھے تو ان کے دھندلے سے نقوش بھی یاد نہیں۔ سالوں پہلے ان کی تصویر دیکھی تھی کہیں۔ اب تو وہ بھی پتا نہیں کہاں گئی۔'' وہ نم آواز

میں بولی۔

"ہاں میری جان۔۔۔" مہ پارہ گہری یاسیت سے بولیں۔ "تم دو ماہ کی تھیں جب۔"

"وہ تم لوگوں کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلی گئی اور جن کو جانا ہو' انہیں کون روک سکا ہے۔"

"وہ کیسی دکھتی تھیں۔ بالکل میری طرح؟" اس نے پرشوق لہجے میں چمکتی آنکھوں سے پوچھا۔

"اوں ہوں۔۔۔" مہ پارہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولیں۔ "تم اس سے مشابہہ ضرور ہو مگر وہ تم سے کئی گنا زیادہ حسین تھی۔ بالکل کانچ سے بنی مورت۔"

"مائے گاڈ۔۔۔!" اجیہ رشک سے بولی۔ "پھر تو کیا لگتی ہوں گی وہ مس ورلڈ یا مس یونیورس؟" مہ پارہ ہنس پڑیں۔

"یہ مس ورلڈ اور یونیورس تو بس ایویں سی ہوتی ہیں' وہ خالص نکھری روشن نگاہوں کو خیرہ کردینے والے ماورائی حسن کی مالک تھی۔"

"تب ہی نانی نے اتنی چھوٹی عمر میں ان کی شادی کردی ہوگی۔ پھپھو بتا رہی تھیں کہ امی' بابا سے کافی چھوٹی تھیں۔"

"ہاں۔۔۔" مہ پارہ غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے بولیں۔ "اس کے تو اتنے رشتے آتے تھے کہ بی جان تو سمجھو بولائی بولائی سی رہتیں کہ کسے ہاں کریں اور کسے نا۔"

"واؤ۔۔۔" اس نے آنکھیں حیرانی و خوشی کی ملی جلی کیفیت میں پھیلائیں۔۔۔ پھر یک دم گہرے ملال میں ڈوب گئی۔

"کاش میں انہیں دیکھ پاتی۔ میں نے قدم قدم پر ان کی ضرورت محسوس کی ہے۔ میں انہیں بہت مس کرتی ہوں خالہ۔۔۔ میں ان کے متعلق ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں مگر پتا نہیں مجھے کیوں لگتا ہے کہ بابا' امی کا ذکر آنے پر کچھ چپ سے ہو جاتے ہیں اور سائر بھائی تو ہیں ہی اتنے ریزرو سے' ان سے بے تکلفی سے بات کی ہی نہیں جاسکتی ورنہ میں ان سے ان کے بچپن کی۔۔۔ امی کے ساتھ گزارے لمحات کی بابت ضرور پوچھتی۔ مگر خالہ جانی۔۔۔ مجھے حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ میں نے کبھی انہیں امی کو یاد کرتے نہیں دیکھا' بلکہ نہ انہیں' نہ بابا کو۔۔۔"

"ہوتے ہیں کچھ لوگ ایسے بھی' بظاہر خاموش مگر دل کے تہ خانے میں محبت کا جہاں بسائے ہوئے۔ شاید وقار بھائی اور سائر کا شمار ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔" مہ پارہ نے کہا۔

"شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" اجیہ نے کہا۔

یاد ان کو کیا جاتا ہے بیٹا جن کو انسان بھولا ہو' مگر یہ تم نہیں سمجھو گی بیٹے۔ مہ پارہ سوچ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

میرب کی رسم مایوں ادا کردی گئی تھی۔ بات بات پر اس کا دل بھر آرہا تھا۔ کبھی اپنی والدہ کی یاد' اس کی آنکھیں نم کردیتی' کبھی اپنے پیاروں سے جدائی کا دکھ۔۔۔

"اچھا اب بس بھی کردو میرو اور کتنا روؤگی۔" ماریہ کی اپنی حالت اس سے مختلف نہیں تھی مگر وہ خود پر قابو پاکر اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو پونچھنے لگی۔

"ماریہ۔۔۔ تم نے زندگی کے ہر موڑ پر میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی ہے۔ کبھی کسی موقع پر تنہا نہیں چھوڑا۔ بہت پیاری اور اچھی دوست ہو تم' مجھے فخر ہے تم پر۔۔۔" وہ بھیگے ہوئے تشکر آمیز لہجے میں بولی۔

"چلو شکر ہے' تم نے میری قدر تو جانی۔۔۔ ورنہ یہاں تو جسے دیکھو میری برائی پر کمربستہ ہے۔" وہ کورنش بجالانے کے بعد۔۔۔ بھنائے ہوئے لہجے میں بولی۔ میرب کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

رب رحیم' یہ بے ریا شفاف موتیوں سی ہنسی یوں ہی سدا سلامت رہے۔ ماریہ نے اسے دیکھتے ہوئے دل سے دعا دی۔ مگر کچھ دعائیں اتنی آسانی سے مقبول نہیں ہوتیں۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک پوش علاقے میں واقع شاندار گھر تھا۔ اس

ایڈریس پر پہنچنے میں گل کو خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بس اسٹاپ خاصا دور ہونے کی وجہ سے اسے اس بھری دوپہر میں ٹھیک ٹھاک پیدل چلنا پڑا تھا۔ اس گھر کے گیٹ تک پہنچتے پہنچتے وہ سر سے پیر تک پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔ لنگڑاتی ہوئی ٹانگ گویا درد سے چور ہو چکی تھی مگر نہ جانے کون سا جذبہ تھا جو وہ یوں بنا کچھ سوچے سمجھے یہاں تک چلی آئی تھی۔ اس نے کندھے پر لٹکائے گئے کالے رنگ کے عام سے ہینڈ بیگ سے وہ چٹ جس پر یہاں کا پتا درج تھا' نکالی پھر سر ہلا کر آگے بیل بجانے کو بڑھی' تب ہی کہیں سے باوردی گارڈ نے منہ نکالا۔

"اے... کیا بات ہے' کس سے ملنا ہے۔" اس نے خاصی ناگواری سے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے..." اک لمحے کے لیے اس نے کچھ سوچا۔ "مجھے اس گھر کی مالکن سے ملنا ہے۔" وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولی۔ مانگنے والوں کے لہجے ایسے نہیں ہوا کرتے۔ اسی لیے گارڈ اپنے ساتھی کو الرٹ کرتا کیبن سے نکل کر اس کی جانب آیا۔

"مالکن سے مگر کیوں؟" وہ درشت لہجے میں پوچھنے لگا۔

"کیوں کا کیا مطلب ہے؟" اس کے چتون بھی تیکھے ہوئے۔ "میں رشتے دار ہوں ان کی۔" اس کا عام سا گھسا ہوا حلیہ اور قطعی لہجہ گارڈ کو مخمصے میں ڈال گیا۔

"نام بتاؤ اپنا۔" پھر وہ جیسے کچھ سوچ کر انٹر کام سنبھال کھڑا ہوا۔

"نن... نام۔" وہ ہکلائی۔ (کہیں وہ نام سن کر ملنے ہی سے منکر نہ ہو جائے۔)

"کیوں؟ اپنا نام بھی یاد نہیں آ رہا۔" گارڈ طنزیہ بولا۔

"گل... کہو گل آئی ہے۔" اسے بولنا ہی پڑا۔ (اب جو ہو دیکھی جائے گی) وہ سوچنے لگی۔

"السلام علیکم بیگم صاحبہ! کوئی گل آئی ہے۔ اپنے آپ کو آپ کا رشتے دار بتاتی ہے کیا کرنا ہے۔ جی... جی بہتر۔" پھر وہ گل کی جانب مڑا۔

"بی بی کہہ رہی ہیں' وہ کسی گل کو نہیں جانتیں' اب کہو؟" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

"خدا کے لیے مہ پارہ! صرف ایک بار مجھ سے مل لو' صرف ایک بار۔" اس نے جھپٹ کر گارڈ سے ریسیور چھینا اور گڑگڑائی۔

"مگر میں مہ پارہ نہیں ہوں۔ اوہ... اچھا ٹھہو گارڈ کو ریسیور دو" دوسری جانب سے کہا گیا۔

"جی... جی بہتر۔" گارڈ مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ پھر ریسیور رکھ کر اس سے مخاطب ہوا۔

"جاؤ' اندر بی بی لان میں موجود ہوں گی۔" دوسرے گارڈ نے مین گیٹ کا الیکٹرک لاک کھول دیا۔ وہ پر اعتماد قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ بڑا ہی شان دار اور پرشکوہ گھر تھا۔ گل کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ سیدھے ہاتھ پر ہرا بھرا لان تھا۔ وہاں کین چیئر پر کوئی بیگم صاحبہ ٹائپ خاتون' براجمان تھیں۔ خاتون نے حیرت سے نو وارد خستہ حال خاتون کو دیکھا۔

"جی فرمایے..." اس نے اپنے مقابل کرسی کی جانب اشارہ کرکے گویا بیٹھنے کا کہا۔ گل کا مصنوعی اعتماد اب متزلزل تھا۔

"جی مجھے مہ پارہ سے ملنا ہے' یہ اس کا گھر ہے نا؟" وہ جلدی سے بولی۔ زندگی میں ویسے ہی بہت دیر ہو چکی تھی۔

"گھر ہے نہیں تھا پہلے یہاں انہوں نے کرائے دار رکھے ہوئے تھے۔ خود تو وہ کافی برس پہلے ہی آسٹریلیا چلی گئی تھیں۔ بعد میں ان سے یہ گھر ہم نے خرید لیا' اب تو ہمیں بھی یہاں رہتے دس سال ہونے کو ہیں۔ مگر آپ کی تعریف۔" ان کی آنکھوں میں الجھن دکھائی دی۔

"جی میں ان کی دور کی رشتے دار ہوں۔ کئی برس پہلے میری شادی اندرون سندھ میں ہو گئی تھی۔ پھر کئی سال میں کراچی آ نہ سکی' اس لیے بہت سے رشتے دار چھوٹ گئے۔ بہت سوں کا تو میں پتا بھی گنوا بیٹھی

ہوں، جیسے مہ پارہ کا۔" وہ حقیقتاً" تاسف سے بولی۔ دو دن سے بدن میں در آئی توانائی زائل ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

"جی میں سمجھ سکتی ہوں مگر ایسا ہے کہ اگر آپ مہ پارہ سے ملنا چاہتی ہیں تو میرے پاس ان کی بہن کے گھر کا ایڈریس موجود ہے۔ ان کی بہن کا تو کافی سال پہلے انتقال ہو گیا تھا، البتہ ان کے بہنوئی اور بچے اسی ایڈریس پر موجود ہیں اور آپ کے لیے اچھی خبر تو یہ ہے کہ آج کل مہ پارہ بھی پاکستان آئی ہوئی ہیں۔ دراصل مہ پارہ کے شوہر مکرم بھائی میرے رشتے کے کزن لگتے تھے۔ اسی لیے ان سے علیک سلیک تو بہرحال رہتی ہی ہے۔ شانو! اندر سے میری ایڈریس والی ڈائری اور پین لے کر آؤ۔" انہوں نے بولتے بولتے اورنج جوس پیش کرتی نوکرانی کو مخاطب کیا۔

"جوس لیجیے آپ۔" انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا۔

"جی۔۔۔ جی۔" وہ جیسے ہڑبڑا کر ہوش میں آئی اور سرعت سے جوس کا نازک سا گلاس تھام کر لبوں سے لگا کر ایک ہی سانس میں خالی کر کے واپس رکھ بھی دیا۔ بیگم شاہانہ امتیاز نے بے حد تعجب سے اس کی حرکت دیکھی۔ پھر دل میں سوچا۔ بے چاری ہے نا کسی گوٹھ کی گنوار، پتا نہیں ایسے رشتے داروں سے میل جول رکھنا مہ پارہ بھابھی کو کیوں پسند ہے۔ شاید اس لیے کیونکہ ان کا میکہ بھی بہرحال ایک مڈل کلاس فیملی سے متعلق تھا۔

"کہاں رہ گئی آپ کی ملازمہ؟" اس کی بے چین نگاہیں وہاں گڑ کر رہ گئی تھیں۔ جس دروازے سے ملازمہ گھر کے اندرونی حصے کی جانب گئی تھی۔

"آپ اطمینان رکھیے ابھی آجاتی ہے۔" وہ اوپری لہجے میں بولیں۔ تب ہی ملازمہ ڈائری اور پین تھامے چلی آئی۔ گل کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ڈائری اچک کر اس میں سے گوہر مقصود برآمد کر لے۔

"جی۔۔۔" بیگم شاہانہ نے ڈائری کا مطلوبہ صفحہ کھول کر اس میں سے ایڈریس اور فون نمبر ایک چٹ پر منتقل کیا اور گل کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"وقار فاروقی نام ہے ان کے بہنوئی کا۔ مکمل ایڈریس اور گھر کا فون نمبر میں نے آپ کی سہولت کے لیے لکھ دیا ہے۔"

"جی بہت شکریہ۔" اس نے جھپٹ کر کاغذ کا ٹکڑا تھاما اور مزید کچھ کہے بنا، پلٹ کر داخلی گیٹ کی جانب چل دی۔

گل جب ایک موہوم سی امید کے سہارے یہاں تک آئی تب اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ منزل مقصود تک یوں ڈائریکٹ رسائی ہو جائے گی۔ یقیناً اس کے ستارے آج کل بلندی پر تھے۔ وہ گیٹ سے باہر آئی اور اپنی لنگڑاتی ہوئی ٹانگ کے ساتھ بڑی شاداں و فرحاں سی مین روڈ کی جانب بڑھنے لگی۔

گارڈ اپنے کیبن کی کھڑکی سے اس کی پشت تکنے لگا۔ اس کی نگاہوں میں اس مشتبہ عورت کے لیے ناگواری سی تھی۔ پتا نہیں یہاں کیا لینے آئی تھی۔ وہ بڑبڑایا۔ وہ جو کچھ یہاں سے لینے آئی تھی لے کر جا چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بس بھائی جان! آپ سے ہمیشہ یہ ہی شکایت رہی زندگی کے کسی موڑ پر بھی آپ نے ہم سے نہ اپنے درد بانٹنے چاہے، نہ خوشی۔ ناز بھابھی آپ کے دیرینہ دوست کی پسند تھیں، حالانکہ ہمیں کتنا شوق تھا خود سے بھابھی پسند کر کے لانے کا، مگر خیر، وہ تو ناز بھابھی تھیں ہی اتنی من موہنی صورت کی حامل کہ بھلا کون بدنصیب انہیں رد کرتا۔ پھر ان کی زندگی میں آپ نے شاید ایک آخری مرتبہ ہی ہمیں اپنے بچوں کی خوشی میں شریک کیا ہو گا، پھر جب آپ یہاں کراچی آگئے تو ہم اس سے بھی گئے۔ میرے دل سے تو آج تک اس بات کا غم نہیں جاتا کہ آپ نے ناز بھابھی کے گزرنے کے بلکہ ان کی تدفین ہو جانے کے بعد ہمیں بتایا بھلا ایسی غیریت کوئی اپنوں سے بھی برتتا ہے؟"

روٹھے لہجے میں کہتیں یہ وقار صاحب کی چھوٹی بہن سائرہ تھیں جو اپنی چھوٹی بہن نعیمہ کے ساتھ کل

ہی لاہور سے یہاں تشریف لائی تھیں۔ سائرہ کے بڑے بیٹے فاران ڈاکٹر تھے اور آج کل امریکا میں ہوتے تھے۔ انہوں نے دونوں چھوٹی بیٹیاں اپنے سسرالی عزیزوں ہی میں بیاہی تھیں۔ جبکہ نعیمہ کا ایک بیٹا حدید' پنجاب یونی ورسٹی میں زیر تعلیم تھا اور چھوٹی بیٹی رمشا جو انٹر کا امتحان دے کر فارغ تھی' ان کے ساتھ ہی آئی تھی۔ سائرہ تین سال پہلے بیوہ ہوئی تھیں' سو اس لحاظ سے آج کل وہ بالکل فارغ تھیں۔ البتہ نعیمہ کے شوہر امتیاز حسین کی طبیعت ٹھیک نہ رہتی تھی' سو وہ ساتھ نہیں آئے تھے۔

یہ سب اس وقت لونگ روم میں بیٹھے لالی کے ہاتھ کی مزے دار سی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے' تب ہی وہ یہ قصہ چھیڑ بیٹھیں۔ سائر' جو پہلے ہی جبراً" یہاں بٹھایا گیا تھا' نے بے چینی سے ان کی بات پر پہلو بدلا۔ مہ پارہ خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتی رہیں۔ اجیہ جو بے تابی سے اپنی فرینڈز کا انتظار کر رہی تھی' اس تذکرے پر کچھ بجھ سی گئی اس کے ساتھ ہی رمشا بیٹھی تھی۔ ان دونوں کے درمیان کزنز والی روایتی دوستی تو خیر مفقود تھی مگر بہرحال وہ دونوں نوعمر لڑکیاں تھیں اور شادی والے گھر میں اکٹھی تھیں' سو ان کے مابین اچھی خاصی بے تکلفی قائم ہو چکی تھی۔

"سائرہ! تمہاری یہ شکایت بے جا ہے' میں نے ہر ہر موقع پر تم دونوں بلکہ انگلینڈ بیٹھے حسن (چھوٹے بھائی) کو بھی ہمیشہ یاد رکھا ہے۔" وقار صاحب نے کچھ ناگوار سے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔۔۔ اتنی مہربانی تو بہرحال آپ نے کی ہے' فیصلہ کرنے کے بعد بتا ضرور یاد کرتے تھے اور ابھی بھی آپ نے یہ ہی کیا۔ میں نے تو وہاں اتنی اچھی لڑکی سائر کے لیے نظروں میں رکھی ہوئی تھی' مگر آپ نے تو اچانک ہی دھماکا کر دیا۔" نعیمہ بھی لب کشا ہوئیں۔ سارا دکھ اس بات کا تھا کہ رمشا کو وہ سائر کی دلہن بنانے کا سوچے ہوئے تھیں۔

"سائر میرا بیٹا ہے' میں اس کے مزاج کے سب رنگوں سے واقف ہوں اور اس کے مطابق ہی میں نے اس کی دلہن تلاش کی ہے تو کیا غلط کیا ہے؟" وہ اس مرتبہ درشت لہجے میں بولے تو دونوں جزبز سی ہو گئیں۔ پھر سائرہ نروٹھے پن سے بولیں۔

"آپ کا بیٹا ہمارا ابھی تو کچھ لگتا ہے نا' یا کہہ دیں کہ نہیں لگتا؟" سائر کی عمر کے چھبیس ویں برس انہیں اس بات کا خیال آرہا تھا۔ اب تک کی عمران دونوں نے بن ماں کے کیسے گزاری اس چیز کا انہیں شاید احساس نہیں تھا۔ انسان یقیناً" اتنی ہی خود غرض فطرت کا حامل ہے۔ فرض سے ناآشنا اپنا حق وصولنے کے لیے ہمہ وقت تیار۔

سائر کے خوب صورت نین ونقش تن سے گئے۔ مگر وہ خاموش رہا' کہنا بہت کچھ چاہتا تھا' مگر وقار کی تربیت اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ وہ دنیا کا ہر غم سہہ سکتا تھا مگر وقار کا جھکا سر دیکھ کر جو اس پر بیتی تھی' وہ جانکنی سے زیادہ تکلیف دہ اذیت تھی۔ وہ اس اذیت کا ذائقہ ایک دفعہ چکھ چکا تھا اور اس دن اس نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے' وہ یہ سر پھر دوبارہ کبھی نہیں جھکنے دے گا۔

"کیوں نہیں' تم پھپھو ہو اس کی' تمہارا حق ہے اس پر۔" وقار صاحب نے متانت سے کہتے ہوئے ان کا مان بڑھایا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔" وہ یک دم بہت خوش ہو کر بولیں۔ ناز بھابھی کی جگہ ماں کے سارے شگن میں پورے کروں گی۔ ان کی بات کی تائید میں نعیمہ بولیں۔

"ہاں' یہ ٹھیک ہے۔ تیاری وغیرہ تو ساری مہ پارہ نے کر لی تھی۔ ہم تو چاہ کر بھی اتنے دن پہلے یہاں آ ہی نہ سکے۔ بھرے پرے سسرالوں کے سو بکھیڑے۔" مہ پارہ ہلکے سے مسکرا دیں۔ چاہتی تو یہ کہہ سکتی تھیں کہ بھلے وہ اپنے شوہر اور اکلوتے بیٹے کے ساتھ آسٹریلیا میں تنہا رہتی ہیں مگر فارغ نہیں رہتیں۔ اکیلے آدمی کی ذمے داری ویسے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

"ہمیں نیگ میں دینے کے لیے کیا خریدا ہے سائر بھائی!" شوخ وشنگ رمشا نے اسے چھیڑا۔ "آخر ہم بہنیں ہیں آپ کی۔"

"کیوں فکر کرتی ہو' آخر بھائی جان کی زندگی کا اتنا خوب صورت موقع ہے۔ کچھ نہ کچھ تو وہ ضرور دیں گے ہی' کیوں بھائی۔" اجیہ نے شرارت سے اپنے بھائی کی جانب دیکھا۔ جو اچانک ہی اٹھ کر بنا کچھ کہے ہی اس محفل سے نکلتا چلا گیا۔ سائرہ اور نعیمہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو معنی خیز اشارے کیے۔ اس ردعمل پر اجیہ کا منہ اتر گیا۔ رمشا نے محض کندھے اچکانے پر اکتفا کیا۔

"بھائی جان...!" کچھ دیر بعد نعیمہ بولیں۔ "سائر کے مزاج کے مطابق لڑکی تو شاید ڈھونڈ ہی لی ہے آپ نے... مگر ضروری تو نہیں کہ وہ لڑکی سائر کو پسند بھی آئی ہو۔" وہ سوئی چبھونے والے لہجے میں بولیں' جس کی چبھن وقار صاحب نے بخوبی محسوس کی۔

"نعیمہ... کیا ہو گیا ہے' کیسی باتیں کر رہی ہو' کل بارات ہے۔ کیا تمہیں اس موقع پر ایسی ناگوار باتیں کرنا زیب دیتا ہے۔" انہوں نے سرد مہری سے کہا تو وہ بادل نخواستہ چپ کر گئیں۔ مگر وقار گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ کیوں نہ ہوتے' ہر طرف سے سائر کے رویے کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ اسی وقت لالی نے آکر اجیہ کی دوستوں کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ تو یوں بھی ماحول کی کشیدگی سے اکتائی بیٹھی تھی۔ فوراً" سے پیشتر ڈرائنگ روم کی جانب چل دی۔ کچھ دیر بعد جب وہاں سے شادی بیاہ کے گیتوں کی آواز آنے لگی تو یکے بعد دیگرے سب ہی وہیں اکٹھا ہو کر شگن کے گیت گانے لگیں۔

مگر وقار کے اعصاب پر وہ گیت' ہتھوڑے کی طرح ضربیں لگا رہے تھے۔

سائر کے سنجیدہ اور لیے دیے رویے کو وہ خود بھی کافی محسوس کر رہے تھے۔ اس پر اس کے متعلق سائرہ اور نعیمہ کی کڑوی' مگر کسی حد تک درست باتیں گویا ان کے اعصاب پر سوار ہو گئیں۔

کیا واقعی میں نے سائر کی پسند کو اہمیت نہیں دی؟ کیا اس کی مرضی کچھ اور تھی اور میں اپنا انتخاب اس پر مسلط کر بیٹھا ہوں۔ رات کے ڈیڑھ دو بجے کا عمل تھا۔

شام سے برپا شور و ہنگامہ اب سرد پڑ گیا تھا۔ مگر وقار صاحب کی نیند کو یہ دہلاتے سوالات تخرا کر لے گئے تھے۔ جب وہ اپنے کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے گویا تھک سے گئے۔ تب ہی کسی خیال کے تحت انہوں نے سائر کے کمرے کی راہ لی۔

دروازہ دوسری دستک پر کھل گیا تھا۔

ڈھیلے ڈھالے چیک دار نیلے ٹراؤزر اور براؤن ٹی شرٹ میں آنکھوں میں نیند کا ہلکا سا خمار لیے وہ وقار صاحب کو دیکھ کر یک دم چوکنا سا ہو گیا۔

"بابا! آپ اس وقت یہاں... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے' آیئے اندر آیئے۔" اس نے فکر مندی سے کہا۔ وہ اندر چلے آئے۔ اس نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

"سو گئے تھے۔" انہوں نے شفقت سے اس کا تھکا تھکا سا چہرہ دیکھا۔

"جی بس ذرا کام تھا لیپ ٹاپ پر بزی تھا۔ بس ابھی ہی فارغ ہوا ہوں مگر آپ اس وقت یہاں..." وہ سامنے رکھے فان اور میرون بیش قیمت صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"میں الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں۔ جس کا تم جیسا قابل فخر بیٹا ہو اسے اتنی آسانی سے بھلا کچھ ہو سکتا ہے؟ بس یوں ہی تم سے کچھ باتیں کرنے کا جی چاہا سو چلا آیا اگر تم ڈسٹرب ہوئے ہو تو معذرت چاہتا ہوں۔" وہ اس کی تشویش زائل کرنے کو دانستہ دھیمے لہجے میں بولے۔

"ارے نہیں بابا' وہ بے ساختہ بولا' میں تو یوں ہی پوچھ رہا تھا۔" کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولے۔

"سائر... میں لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھوں گا۔ میں صرف تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کہیں انجانے میں' میں نے تمہارا کوئی خواب تو چکنا چور نہیں کر دیا۔ میرا مطلب ہے کہ خدانخواستہ تم کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں تھے؟" وہ ٹٹولتی نظروں سے اسے بغور تکتے ہوئے بولے۔

"یہ کیسا سوال ہے بابا' وہ حیران ہوا' آپ کو ایسا کیوں

لگا؟ آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میری زندگی کا ہر فیصلہ کرنے کا اختیار میں نے صرف آپ کو سونپ رکھا ہے پھر اس سوال کی گنجائش کہاں نکلتی ہے۔"

"نکلتی ہے بیٹا، مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ تم انتہائی سعادت مند اور فرماں بردار ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے مجھے انکار نہ کرنے کے خیال سے اپنے دل کو روند ڈالا ہو۔" وہ سنجیدہ لہجے میں پوچھنے لگے۔

"یہ دل بھلا کیا شے ہوتی ہے بابا" وہ سر جھٹک کر استہزائیہ انداز میں بولا' اس دل سے بھی زیادہ مسلم حقیقتیں ہیں میری زندگی میں اور آپ اطمینان رکھیے جیسا آپ سوچ رہے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں اور یوں بھی آپ نے تو مجھ سے میری رائے' میری پسند پوچھی تھی' کوئی ہوتی تو بتاتا نا۔" وہ انہیں مطمئن کرنے کے لیے بولا۔

"مگر تمہارا خاموش انداز اور اکھڑ رویہ مجھے الجھا رہا ہے۔ میں ہی کیا تقریباً" سارے ہی لوگ اس بات کو محسوس کر چکے ہیں' ایسے میں میری تشویش کچھ ایسی بے جا بھی نہیں۔ شادی اپنی مرضی سے ہو یا کسی اور کی مرضی سے۔ لڑکے تو لفظ شادی سنتے ہی کھل سے جاتے ہیں۔ ان کے لب ہمہ وقت مسکراہٹیں بکھیرتے رہتے ہیں۔ آنکھوں سے خوشی کی کرنیں پھوٹ رہی ہوتی ہیں اور تم....." انہوں نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہارا بجھا ہوا چہرہ' ماند مسکراہٹ اور کسی بھی جذبے سے عاری آنکھیں مجھ سے بہت کچھ کہہ رہی ہیں بیٹے۔" وہ جتاتے لہجے میں بولے تو بالآخر وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"بابا... ابھی میں نے اس بارے میں کچھ بھی نہیں سوچا تھا اور آپ نے اچانک ہی مجھ پر اتنی بھاری ذمے داری ڈالنے کا پلان بنالیا' بس میں اسی لیے شاکڈ ہوں اور کچھ نہیں۔ سوچتا ہوں آگے زندگی کیسے منہج ہوگی۔ بس یہ ہی بات مجھے پریشان کیے ہوئے ہے۔"

(اب وہ انہیں کیسے بتائے کہ اک خواب ہے تو سہی' بھیانک خواب۔ جو اسے راتوں کو سوتے سے جگا دیتا ہے۔ اس کے دل برباد کو آباد ہونے نہیں دیتا۔)

"واقعی...؟" انہیں جیسے یقین نہ آیا۔ "محض اتنی سی بات تمہیں پریشان و بے چین کیے ہوئے ہے۔ بیٹا میں نے تمہارے لیے میرب کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ وہ پڑھی لکھی' سمجھ دار اور باشعور گھریلو قسم کی لڑکی ہے۔ اس کا بچپن بھی میری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے۔ اس نے اپنے باپ کے گھر کو جنت بنا رکھا ہے۔ وہ یقیناً" تمہارے لیے ایک بہترین بیوی ثابت ہوگی اور جہاں تک اچانک اس فیصلے کی بات ہے تو یہ اتنا بھی آنا" فانا" نہیں۔ اب نہیں تو دو یا تین سال بعد تو بہرحال تمہاری شادی کرنی ہی تھی' پھر اجیہ کا مسئلہ بھی تمہارے سامنے ہے۔ وہ اپنی عمر کے نازک دور میں ہے۔ اسے کسی باشعور عورت کی سرپرستی کی ضرورت ہے۔ وہ تم سے یا مجھ سے تو اپنے دل کی باتیں شیئر کرنے سے قاصر ہے' اپنی پھوپھوں کا حال تم دیکھ چکے ہو۔ مہ پارہ کا دم غنیمت ہے۔ اس نے ہمیشہ تم دونوں سے خصوصی محبت کا سلوک روا رکھا ہے مگر بہرحال یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کا بھی اپنا گھربار ہے اور پھر وہ رہتی بھی دیار غیر میں ہے۔ سامنے رہنا بعض اوقات بہت ضروری ہوتا ہے۔ آئے دن اجیہ کی دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا ہے۔ بچیوں کو سو طرح کی باتیں سکھانی ہوتی ہیں جو تم اور میں ڈائریکٹ کبھی نہیں سمجھا سکتے۔ اسی لیے مجھے یہ ہی حل بہتر لگا کہ تمہاری شادی کردی جائے۔ تمہاری بھی تنہائی دور ہوگی اور اجیہ کو بھی جب گھر ہی میں دوست میسر آجائے گی تو بھلا وہ باہر کیا لینے جائے گی۔" انہوں نے اب کی مرتبہ اطمینان سے اپنے فیصلے کے پس منظر سے آگاہ کیا۔

"آپ نے کچھ زیادہ ہی توقعات تو نہیں وابستہ کرلیں؟" وہ بے یقین لہجے میں پوچھنے لگا۔ جواباً" وہ مسکرادیے۔

"مجھے زندگی میں بھلے کسی اور چیز کی پہچان ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو البتہ عورت کی پہچان مجھے اچھی طرح ہوگئی ہے اور تم اپنی خوش قسمتی پر جتنا نازاں ہو کم ہے۔

میرے بیٹے! تمہارے باپ نے تمہارے لیے ہیرا چنا ہے۔ خالص ہیرا۔ مجھے یقین ہے بیٹی میرب میرے مان کو توڑے گی نہیں۔" ان کے لہجے میں اتنا یقین تھا کہ سائز شدر رہ گیا۔ (بابا نے زندگی میں جو کچھ بھگتا ہے کیا اس کے بعد بھی وہ کسی پر اس حد تک اعتبار کرسکتے ہیں؟) اس نے سوچا۔

"چلو بیٹے میرے دل میں جو پھانس چبھ رہی تھی تم نے نکال دی۔ اب میں مطمئن ہوں' رات کافی بیت چکی ہے۔ اب تم بھی پر سکون ہو کر سو جاؤ۔ کل تمہاری بارات ہے اور میں چاہتا ہوں میرا بیٹا کل بالکل شہزادہ لگے۔" انہوں نے پیار سے اس کا ماتھا چوم کر کہا۔ تو اس کی آنکھیں ان کی والہانہ محبت پر بھیگ سی گئیں۔

"بابا! اس بے غرض محبت کے صدقے اگر آپ مجھے کنویں میں بھی چھلانگ لگانے کا کہہ دیتے تو میں لگا دیتا اور یہ رشتہ جوڑنا میرے لیے خود کشی کرنے جیسا ہی ہے' مگر میں تیار ہوں بالکل تیار ہوں' آپ کی بے ریا محبت کے صدقے۔" ان کے جانے کے بعد اس نے خود سے کہا اور چپکے سے آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

رات تقریباً" روزانہ ہی اس مختصر سے گھٹن زدہ تاریک فلیٹ میں کسی قہر کی صورت اترتی تھی۔ اپنے سود و زیاں کا گل روز ہی حساب لگاتی اور سارے کا سارا خسارہ اسی کے کھاتے میں درج ملتا۔ ایسے میں اس پر چھائی جھنجلاہٹ' کڑواہٹ میں بدلنے لگتی اور پھر یہ کڑواہٹ زہر کی مانند رگ و پے میں سرائیت کرجاتی۔ گل اپنا نیل و نیل وجود لیے تکلیف سے کرلاتی' ہسٹریائی چیخیں مارتی' مگر یہاں کون تھا جو اس کی فریاد سنتا۔ ایک عہد گل نے بہت پہلے ہی اپنے آپ سے کرلیا تھا۔ زندگی میں جب بھی موقع ملا وہ اپنی بربادی کے ذمے دار کو ضرور ان حالوں تک پہنچائے گی کہ وہ بھی اسی کی طرح تڑپے گا' روئے گا' چیخے گا اور شاید مقصد اور عہد اب پورا ہونے جارہا تھا۔ گل معمول کے مطابق اپنے روز مرہ کے کام نمٹا کر اطمینان سے سنگل بیڈ جس پر نیلے رنگ کی سفید پھولوں والی پرانی چادر بچھی ہوئی تھی' پر بیٹھی اور مکمل سکون سے بیٹ پر جو کہ اس روز گل نے بیگم شاہانہ سے حاصل کی تھی' موجودہ نمبر ڈائل کرنے لگی۔ بیل جارہی تھی۔ گل کوئی کچی کھلاڑی نہیں تھی۔ اس کا ماضی گواہ تھا کہ وہ کتنی زبردست پلانر تھی۔ اب بھی وہ اس طرح جال بچھا رہی تھی کہ کامیابی یقیناً" اس کا مقدر ٹھہرتی۔ یہ کال یوں ہی گئی۔ دوبارہ' سہ بار' اس نے ہمت نہ ہاری۔

"ہیلو۔۔۔" اس بار کسی نے فون ریسیو کرلیا" آواز مرد کی تھی۔ یک لخطہ گل کا اعتماد متزلزل ہوا' مگر پھر اس کا ازلی رعونت آمیز انداز عود کر آیا۔

"السلام علیکم۔۔۔ کون بات کررہا ہے؟" گل نے سنبھل کر احتیاطاً" پوچھا۔

"جی جی۔۔۔ فون آپ نے کھڑکایا ہے۔ پہلے آپ بتاؤ' آپ کون ہو؟" وہاں سے بے زار کن مگر مضبوطی تادیبی لہجے میں پوچھا گیا۔

"میں۔۔۔ میں۔۔۔" اتنا تو گل سمجھ گئی تھی کہ فون کسی ملازم نے اٹھایا ہے' مگر پھر بھی اس کی ذات کا حوالہ ایسا تھا کہ وہ دے نہ سکتی تھی۔

"میں۔۔۔ مجھے ابیہ فاروقی سے بات کرنی ہے' میں اس کی دوست کی والدہ بات کررہی ہوں۔" بالآخر وہ گویا ہوئی۔

"جی بی' صاحب تو گھر پر موجود نہیں ہیں۔ وہ لوگ تو چھوٹے صاحب کی بارات لے کر نکل چکے ہیں' پر آپ کو کیا کام ہے؟" شریف نے بتایا۔ خوش قسمتی سے تو چھیالیس انچ کے ایل سی ڈی پر "پتر ہمایوں گجر دا" دیکھنے کا موقع ہاتھ آیا تھا۔ اس پر اس غیر اہم کال کی آمد اس کا مزہ کرکرا کرنے کے در پے تھی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں دراصل ہمیں ہوٹل کی لوکیشن سمجھ میں نہیں آرہی' اسی لیے کال کی تھی کہ اس کا راستہ اچھی طرح سمجھ سکوں' اصل میں ہم اس شہر میں نئے ہیں' اسی لیے راستوں سے مکمل واقفیت نہیں رکھتے

اگر ہوسکے تو اجیہ کا موبائل نمبر دے دو' میں خود اس سے رابطہ کرکے پوچھ لوں گی۔" گل جلدی سے بہانہ گھڑ کے چالاکی سے بولی۔

اور جو شریف کی ساری توجہ ہمایوں کے پیتر کی جانب نہ مبذول ہوئی ہوتی تو ضرور ہی سوال کرڈالتا کہ "بی بی کی سہیلی کے پاس نہیں ہے ان کا نمبر" مگر اس کی بے توجہی گل کا کام بنا گئی۔

"ہاں آں.... لکھو.... زیرو تھری.... اور اچھا خدا حافظ۔" اس نے جلدی سے اجیہ کا نمبر اسے لکھوا کر سرعت سے فون رکھ دیا اور ایک مرتبہ پھر آکر صحت مند حسیناؤں کے نادیدہ حسن میں کھو گیا۔ دوسری جانب گل کو یقین ہو چلا تھا کہ اس کی قسمت کی گردش اب تمام ہو چکی ہے اور اس کے ستارے ایک مرتبہ پھر جگمگا اٹھے ہیں۔

"وقار! آج سے سالوں پہلے تم نے مجھے جو اذیت دی تھی اس کے بدلے کا وقت آن پہنچا ہے اور میرا یقین کرو میں وہ اذیت تمہیں سود سمیت واپس لوٹاؤں گی۔ میرے خوابوں کو چکنا چور کرنے والے! تم نے جو نقصان مجھے پہنچایا تھا اس کے آگے تو یہ تکلیف کچھ بھی نہیں۔ آج سے تم الٹی گنتی گننا شروع کردو' کیونکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ گل جو کہہ دے' کرتی ضرور ہے۔" وہ خود کلامی کررہی تھی۔ مگر اس کا لہجہ.... کوئی درندہ بھی سنتا تو کانپ جاتا اور اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک کمرے میں ڈولتی تنہائی نے جھرجھری سی لی تھی۔

☆ ☆ ☆

ہوٹل میں بارات کا شان دار استقبال کیا گیا تھا۔ استقبال کرنے والوں میں لائٹ پنک لمبی فراک چوڑی دار پاجامہ اور تیز گلابی دوپٹے میں ملبوس ماریہ پیش پیش تھی اور اس کی والدہ سائرہ کے گھر والوں کو بڑی اچھی طرح اٹینڈ کررہی تھیں۔ میرب کی "قریبی کزنز پلس رشتے دار" دور کے عزیزوں کی طرح اجنبی سے بنے بیٹھے تھے۔ کچھ غیروں کو سب انتظام سونپ دینے پر خفا بھی تھے۔ جس دم سرخی مائل براؤن کلر کی شیروانی جس پر گولڈن اور سرخ خوب صورت کام بنا ہوا تھا زیب تن کیے اور گولڈن اور رفان کلاہ سر پر تاج کی طرح سجائے شہزادوں کی سی آن بان والے سائر کے برابر میں سرخ جس پر سنہری اور فیروزی بھاری کام بنا ہوا تھا۔ سونے کی فیروزے جڑی جیولری سے آراستہ و پیراستہ میرب کو ماریہ نے لاکر بٹھایا' اک پل کو اس خوب صورت سے شادی ہال میں موجود تمام نفوس نے بے ساختہ اس پرفیکٹ جوڑی کو سراہا تھا۔ وقار صاحب اور ابراہیم صاحب کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ ان کی دیرینہ دوستی آج بالآخر رشتے داری میں تبدیل ہونے جارہی تھی اور اجیہ.... اس کی تو آج چھب ہی نرالی تھی۔ سیاہی مائل گرین اور ڈارک میرون چنری کے خوب صورت کام سے مزین لانگ شرٹ اور شرارے میں وہ شعلہ جوالا بنی ہوئی تھی۔ پشت پر لہراتے کالے سیاہ ریشمی بال' پیشانی پر سونے کا بڑا سا گول ٹیکا جس کے سرے پر زمرد لٹکا ہوا تھا' اپنی خوش نصیبی پر نازاں تھا۔ آج کئی دل اسے دیکھ کر ڈول گئے تھے۔ وہ بے چینی سے اپنی نئی نویلی دوست شہنا کی منتظر تھی۔ نئی نویلی اس لیے کہ شہنا سے اس کی دوستی تقریباً" چھ ماہ قبل کمپیوٹر کورس کے سلسلے میں جوائن کیے گئے ادارے میں ہوئی تھی۔ حسب عادت اجیہ نے اپنی افتاد طبع سے مجبور ہوکر انسٹی ٹیوٹ تو کب کا چھوڑ دیا تھا مگر شہنا یوں چپکی کہ چھٹ نہ سکی۔ وہ بھی اس کی طرح امیر خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر اجیہ کے برعکس کافی شوخ' بولڈ اور آزاد خیال سی لڑکی تھی۔ اجیہ کی ہر دور کی ایک دوست ہوا کرتی تھی۔ جو چند قدم ساتھ چلنے کے بعد کسی نہ کسی وجوہ کی بنا پر اس سے علیحدہ ہوجاتی یا اجیہ ہی اس سے ملنا ترک کردیتی۔ آج کل شہنا سے اس کی دوستی زوروں پر تھی۔ تب ہی دور سے شہنا آتی دکھائی دی۔ اجیہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

"تم نے دیر لگادی' رسمیں بس شروع ہی ہونے والی ہیں۔" وہ قریب آکر کسی قدر فہمائش سے بولی۔

"سانس تو لیا کرو لڑکی۔ نہ حال پوچھا' نہ چال' لگیں

رعب جھاڑنے۔" وہ اس سے لپٹ کر گال سے گال ملا کر بولی۔ "خدا کی قسم پہچانی نہیں جا رہیں۔" اس نے اجیہ سے الگ ہو کر اوپر سے نیچے تک بغور اسے ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ تب ہی شہنا کے عقب میں آکر بلیک ڈینم اور بلیک ہی سفید لائنوں والی خوب صورت سی شرٹ میں ملبوس وہ وجیہہ و شکیل سا مرد آکر کھڑا ہوا۔

"میٹ مائی برادر آغا شایان اور آغا... یہ ہے میری پیاری سی دوست اجیہ فاروقی۔" شہنا نے رسم تعارف نبھائی۔

"ہیلو..." اجیہ نے خیر مقدمی سی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی اور جواب لیے بنا ہی شہنا کو لے کر اسٹیج کی جانب پلٹ گئی۔

اور آغا شایان... وہ تو شاید یہاں رہا ہی نہیں آنکھیں ایسی چکا چوند ہوئیں تھیں کہ اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ پھر جب اس کی بینائی بحال ہوئی تو خطبہ نکاح کے وقت سر پہ دوپٹے کا پلو ڈالے ہوئے، دودھ پلائی کے موقع پر دلہن کی رشتے کی کزنز سے بحث و تکرار کرتے ہوئے، دولہا دلہن کے ساتھ تصویریں اترواتے ہوئے بعد ازاں چھری کانٹوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اسے صرف وہ... وہ... اور وہ ہی نظر آئی۔

"آغا اب چلنے بھی چلو کیا دلہن کو رخصت کروانے اس کے گھر تک جانا ہے؟" ہوش میں تو وہ تب آیا جب شہنا نے اس کا کندھا بری طرح جھنجوڑ کر رکھ دیا۔

"آں... چلو... اپنی فرینڈ سے اجازت لے لی؟" وہ متلاشی نگاہوں سے یہاں وہاں دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"ہاں بھئی... چلو اب..." وہ بے پروائی سے اسے جواب دے کر ہال کے مین دروازے کی جانب بڑھنے لگی تو چاروناچار اسے بھی قدم بڑھانے پڑے۔ دوسری جانب مہ پارہ اپنی طرف کے مہمانوں کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔

"بڑا اچھا لگا آپ سب آئے اب ان شاء اللہ ولیمہ پر ملاقات ہوگی۔" وہ اپنی ایک رشتے دار سے ہاتھ ملا کر بولیں۔

"شکریہ کی کیا بات ہے پارو۔ اب بس یہ شادی بیاہ ہی کے مواقع ہی تو ہوتے ہیں جس پر سب اکٹھا ہو کر سب سے مل جل لیتے ہیں ورنہ آج کل تو ہر شخص اتنا مصروف رہتا ہے کہ قریبی عزیزوں ہی کے ہاں بمشکل جانا ہوتا ہے۔" وہ خاتون مسکرا کر متانت سے بولیں۔

مہ پارہ سر ہلا کر آگے بڑھیں۔

"میں بس تمہاری ہی جانب آرہی تھی۔" بیگم شاہانہ، مہ پارہ کے گال کا بوسہ لے کر بولیں۔ "بھانجے کی شادی بہت بہت مبارک ہو۔"

"خیر مبارک... اور تمہارا آنے کا بہت بہت شکریہ۔" وہ بولیں۔

"اخلاق بھائی اور حمزہ نہیں آئے؟" بیگم شاہانہ نے ان کے بیٹے اور شوہر کا نام لیا۔

"بس اخلاق کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، پھر آج کل کام کا بھی کافی لوڈ تھا اور حمزہ کا لاسٹ سمسٹر تھا۔ اس کی پڑھائی کا بہت حرج ہو جاتا، بس اسی لیے وہ چاہنے کے باوجود بھی نہ آسکا۔" بیٹے اور شوہر کے تذکرے پر وہ کچھ اداس سی ہو گئیں۔

"اچھا بھئی میں اب چلتی ہوں۔ ولیمہ پر شاید نہ آسکوں، میری بہن کی بیٹی کی منگنی طے ہے اس دن اور یاد آیا..." وہ بولتے بولتے اچانک چونکیں "تمہاری کوئی رشتے دار آئی تھیں میرے گھر، میرا مطلب ہے انہیں شاید معلوم نہیں تھا کہ وہ گھر تم بہت پہلے ہمیں بیچ چکی ہو۔ تم سے ملنا چاہ رہی تھیں کہہ رہی تھیں، اندرون سندھ سے آئی ہیں، کئی برس سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"اچھا..." مہ پارہ حیرت سے بولیں... "میں نہیں جانتی، خیر نام کیا بتایا تھا؟" وہ جیسے یاد کرنے کو پوچھنے لگیں۔

"نام..." وہ سوچنے لگیں۔ "شاید راشدہ یا ساجدہ ایسا ہی کچھ نام لیا تھا، بہرحال میں نے انہیں وقار بھائی کا ایڈریس دے دیا تھا کہ تم وہاں موجود ہو، کیوں کیا ابھی تک انہوں نے تم سے رابطہ نہیں کیا۔ حالانکہ خاصی

بے چین لگ رہی تھیں۔" مہ پارہ سوچ میں پڑ گئیں۔
"خالہ جانی۔ پلیز چلیں۔ رخصتی کروانے کو کہہ رہی ہیں پھوپھو لوگ۔" اجیہ نے آکر چڑے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ جلدی سے انہیں خدا حافظ کہتی رخصتی کروانے کی غرض سے اجیہ کے ساتھ آگے بڑھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

تھکی تھکی سی میرب نے بالآخر جب اپنی تختہ ہوتی کمر بیڈ کراؤن سے ٹکائی تو اسے یک گونہ سکون سا محسوس ہوا۔ اس نے بھاری آنچل سے بوجھل سر اٹھا کر کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ وسیع و عریض کمرے میں اس کے جہیز کا بیش قیمت فان کلر کا بھاری فرنیچر سجا تھا۔ فان اور میرون صوفہ سیٹ' بیڈ کے سیدھے ہاتھ پر رکھا گیا تھا۔ سامنے دیوار پر LED بجی تھی' الٹے ہاتھ پر بنا ڈریسنگ روم اور واش روم تھا۔ کمرے سے ملحقہ ٹیرس گلاس ڈور ہونے کی وجہ سے دکھائی دیتا تھا۔ ریشمی سرسراتے میرون پردے اور زمین پر بچھا اخروٹی رنگ کا ایرانی قالین' وہ جائزہ لینے میں مشغول ہی تھی کہ ہلکا سا کھٹکا سنائی دیا۔ ساری رسمیں اور نیگ وغیرہ وہ پہلے ہی نپٹا چکا تھا۔ اسی لیے بنا کسی رکاوٹ کے وہ اندر چلا آیا۔ تازہ گلابوں سے بجی' سیج پر بیٹھی ہوئی میرب کا دل اب کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ سائر نے اطمینان سے اپنا کلاہ اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اور پھر شیروانی کی قید سے خود کو آزاد کروا کر اسے ہینگ کرنے کے بعد کرتے کی جیب سے مخملیں ڈبیہ برآمد کرتا اب وہ اس تک آیا تھا۔
"السلام علیکم!"
جواباً" اس نے بھی اپنی نرم آواز کا جادو بکھیرا تھا۔
"یہ تمہاری منہ دکھائی' یہ لو۔" اس نے ڈبیہ بنا کھولے اس کی جانب بڑھائی۔ جو اس نے "جی شکریہ" کہہ کر تھام بھی لی۔ تاہم دل میں یہ خیال ضرور جاگزیں ہوا کہ کیا رونمائی ایسے دی جاتی ہے؟ کچھ لمحے یونہی سرک گئے۔ میرب نے ڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کر دیکھا' وہ ایک بازو کے نیچے تکیہ دبائے کہیں خلاؤں میں گھور رہا تھا۔
"آج ہماری نئی زندگی کی پہلی رات ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ میرب نے سرعت سے نگاہیں ایک مرتبہ پھر جھکا لیں۔
"نئی زندگی تمہارے ساتھ شروع کرنے سے قبل میں تم سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں' کیا تم سن رہی ہو؟" اس نے اپنی نگاہیں اس کی جانب کیں۔
"جی جی بالکل! میں ہمہ تن گوش ہوں۔" وہ منمنائی۔
"عورت کبھی بھی میرے لیے کسی بھی صورت میں دلچسپی کا باعث نہیں رہی' میں شاید اس ٹائپ کا بندہ ہی نہیں ہوں۔ عورت کا حسن میرے لیے ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ میرے نزدیک اس کا کردار ہی اس کا سب کچھ ہے' تم سمجھ رہی ہو میری بات؟" وہ پھر رکا۔
"آپ کہتے رہیے' میں سن رہی ہوں۔" وہ دھیمے مگر نسبتاً" پراعتماد لہجے میں بولی۔
"مجھے منوانے والی نہیں بات ماننے والی بیوی درکار ہے۔ میں ایک مشکل آدمی ہوں' شاید تمہیں میرے ساتھ ایڈجسٹ کرنے میں مسائل کا سامنا کرنا پڑے' مگر اس سب کے باوجود میں ایک وفادار شخص ہوں۔ جو اپنی بیوی سے بھی یہ ہی چاہے گا کہ وہ اس کی وفادار رہے۔ میرے گھر میں چھوٹی بہن ہے' میں چاہتا ہوں کہ تم اس کا بڑی بہنوں کی طرح خیال رکھو۔ میرے جان سے پیارے بابا ہیں اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم ان کا بالکل اپنے والد کی طرح دھیان رکھو۔ بس میں صرف یہ چاہتا ہوں' اس کے علاوہ میری تم سے کوئی ڈیمانڈ نہیں۔ تمہیں کچھ کہنا ہے؟" وہ اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔
"میں آپ کی ہر خواہش کا احترام کروں گی۔ بس اس کے علاوہ کیا کہوں؟" وہ اپنی بڑی بڑی ساحر آنکھیں اٹھا کر بولی کہ سائر اس سارے عرصے میں پہلی بار کھل کر مسکرا دیا۔ سائر کی مسکراہٹ سے اسے حوصلہ ہوا اور وہ بولی۔
"اچھا۔ اب میں چینج کرلوں؟"

"ابھی نہیں۔۔۔ ابھی میں نے تمہارے بارے میں تو کچھ کہا ہی نہیں۔" وہ نرم آواز میں بولا اور وہ جو کپڑے تبدیل کرنے اٹھ رہی تھی' اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھالیا۔ پھر اس کا نازک سا مہندی سے سجا دودھیا ہاتھ تھام کر بولا۔

"تمہارے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں۔"

"پوچھ رہے ہیں یا بتا رہے ہیں۔" وہ شوخی سے بولی۔

"بتا رہا ہوں۔" وہ اس کا شوخ انداز نہ سمجھ کر سادگی سے کہہ گیا۔ جواباً" وہ مسکرا دی۔ اسے مسکراتا دیکھ کر سائر کی مسکراہٹ دوچند ہو گئی۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا

اور میرب اس رات اس عجیب و غریب بندے پر مرمٹی تھی۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح کا نقشہ بالکل ویسا ہی تھا۔ جیسا کہ عموماً" شادی والے گھر میں شادی کی اگلی صبح ہوا کرتا ہے۔ جب گھڑی بارہ کا ہندسہ عبور کر گئی تب مہ پارہ نے لالی کے سپرد انہیں بیدار کرنے کا کام سونپا۔ لالی ابھی اوپر جا ہی رہی تھی کہ ایپل گرین خوب صورت سے فراک پاجامے میں سرپہ دوپٹا لیے میرب اپنے کمرے سے باہر آتی دکھائی دی۔

"سلام بیگم صاحب!" لالی نے خوشدلی سے سلام کیا۔ اس نے جواب دے کر استفسار کیا۔

"لاؤنج میں کون کون ہے؟"

"سب ہی ہیں جی۔" وہ بولی تو میرب جھجک گئی۔

"ایسا کرو تم اجیہ کو بلا لاؤ۔" اس نے اکیلے نیچے اترنے کے خیال سے گھبرا کر کہا۔ نہ جانے یہ لوگ کیا خیال کریں۔

"جی بی بی۔" وہ پلٹ گئی۔ میرب وہیں متذبذب سی کھڑی تھی' تب ہی اجیہ آتی دکھائی دی۔

"ہیلو سویٹ بھابھی۔۔۔ نئی صبح مبارک ہو آپ کو۔" وہ چٹاچٹ اس کے گال چوم کر رک رک کر بولی۔

"چلیں جلدی نیچے چلیں' آپ کے گھر والے ڈرائنگ روم میں آئے بیٹھے ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔ میرب' اجیہ کی معیت میں نیچے آئی۔ مہ پارہ نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

"السلام علیکم!" میرب نے ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہو' خوش رہو' اللہ شاد و آباد رکھے' سدا سہاگن رہو۔" مہ پارہ نے اسے اپنے ساتھ لگا کر دعا دی۔

"جاؤ اجیہ۔۔۔ بھابھی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جاکر بیٹھو۔ لالی چیزیں گرم کرکے ناشتہ لگاتی ہے تو میں آواز دے دوں گی۔" مہ پارہ نے کہا۔ اجیہ اسے ساتھ لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

"شادی کی اگلی صبح پہننے کے لیے تو کم از کم تیز رنگ کا انتخاب کرنا چاہیے نا' مگر یہ آج کل کی فیشن زدہ لڑکیاں انہیں کون سمجھائے۔" اس کے جانے کے بعد نعیمہ کڑوے لہجے میں بولیں۔

"اچھا خاصا بھاری سوٹ ہے نعیمہ آپا۔" مہ پارہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بتانا چاہا' انہوں نے نخوت سے ہونہہ کر دیا۔

ماریہ اسے دیکھ کر والہانہ آگے بڑھی' میرب بھی بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی تھی۔ ماریہ کے ساتھ میرب کی دو تین کزنز بھی تھیں۔ ماریہ کا بھائی سعد انہیں ڈراپ کرکے جا چکا تھا۔ ناشتے کے بعد وہ انہیں پک کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"کیسے لگے سائر بھائی؟" ماریہ نے شرارت سے پوچھا' وہ آسودگی سے مسکرا کر بولی۔

"بہت اچھے۔"

"اف اللہ! کہاں تو رخصتی سے پہلے اندیشے پال پال کر ہمارا خون خشک کر رکھا تھا اور اب یہ شرمگیں انداز' بہت اچھے۔" ماریہ نے چڑ کر اس کی نقل اتاری تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ناشتے کی ٹیبل پر نکھرا ستھرا نیلے کرتا شلوار میں سائر بھی موجود تھا۔ ناشتا ہلکے پھلکے ماحول میں کیا گیا۔ سائر' ماریہ کی چھیڑ چھاڑ کو انجوائے

کررہا تھا۔ اسے مسکراتا دیکھ کر وقار صاحب کے دل میں ڈھیروں اطمینان اتر آیا۔ ناشتے کے بعد ان لوگوں نے مہ پارہ سے میرب کو لے جانے کی اجازت مانگی۔ ان کے جانے کے بعد گھر میں سناٹا پھیل گیا۔ شام کو رواج کے مطابق سائر کے گھر والوں نے میرب کو لینے جانا تھا۔ سائر اخبار دیکھنے لگا۔ یہ الگ بات کہ اسے اپنا دل بہت خالی خالی سا لگ رہا تھا۔

"کب ہو گی یہ شام۔" اس نے اکتا کر اخبار واپس میز پر رکھا اور گھڑی کو دیکھا جو دن کے تین بجا رہی تھی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ اس کے لب آپ ہی آپ مسکرا اٹھے۔

☆ ☆ ☆

گل نے دو تین مرتبہ اجیہ کا نمبر ملایا تھا' مگر اس نے ریسیو ہی نہ کیا۔ اس وقت اس کی جھنجلاہٹ مزید بڑھ گئی' جب اس پارلر' جہاں وہ کام کرتی تھی کی ہیڈ میڈم نشی نے اسے کسی شوٹ کے سلسلے میں مری ساتھ چلنے کا کہا۔ وہ ان سے کانٹریکٹ کی وجہ سے انکار کرنے کی مجاز نہ تھی۔ سو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ان کے ساتھ جانا ہی تھا اور وہ چلی بھی گئی۔

عام طور پر تو گل اس تبدیلی کو بے پناہ پسند کرتی تھی مگر آج کل وہ جس ذہنی کیفیت سے گزر رہی تھی وہاں یہ تبدیلی کوفت آمیز بے زاری کے علاوہ اس کے لیے اور کچھ نہیں تھی۔ وہ شدت سے کراچی لوٹنے کی منتظر تھی۔

☆ ☆ ☆

ولیمہ کے بعد نعیمہ اور سائرہ واپس لوٹ گئیں۔ مہ پارہ البتہ چوتھی کی دعوت کے بعد واپسی کا ارادہ رکھتی تھیں۔ شادی کی رونق ماند پڑتے ہی روزمرہ کی مصروفیات شروع ہو گئیں۔ سائر نے آفس سے ایک ہفتے کی چھٹی لے رکھی تھی۔ مہ پارہ نے انہیں ہنی مون پر جانے کا مشورہ دیا۔ سائر اتنی جلدی ہنی مون پر جانے کے حق میں۔۔۔ نہ تھا اس کا کہنا تھا کہ تھوڑی بہت انڈر اسٹینڈنگ کے بعد ہی وہ ہنی مون پر جا کر خود کو ریلیکس محسوس کر سکتا ہے۔ سو اس نے سہولت اور طریقے سے مہ پارہ کو انکار کر دیا۔ میرب کو البتہ اس نے اصل بات سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ اس کے خیال سے متفق بھی تھی۔ وہ روز صبح اٹھ کر فریش ہو کر نیچے آتی۔ پھر سب ساتھ میں ناشتا کرتے' اس کے بعد وہ کبھی وقار صاحب کے ساتھ کسی کتاب پر تبصرہ کرتی' کبھی مہ پارہ کے ساتھ زنانہ باتیں کرتی۔ کبھی اجیہ کے ساتھ اس کے کالج اور دوستوں کے قصے سننے میں دلچسپی ظاہر کرتی۔ سائر اسے بغور دیکھتا۔ کبھی تو مسکرا دیتا' کبھی یوں ہی سنجیدگی طاری کیے بیٹھا رہتا۔ شادی کے پہلے ہفتے میرب اتنا تو اندازہ لگا ہی چکی تھی کہ اس گھر میں اگر کوئی مشکل پسند بندہ ہے تو وہ خود اس کا مجازی خدا ہی ہے اور میرب خود کو بھی جانتی تھی۔ وہ مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسے خود پر پورا بھروسا تھا۔ مگر کبھی کبھی انسان خود کو کتنا اوور اسٹیمیٹ کر جاتا ہے۔

☆ ☆ ☆

"اف کتنی بوریت بھری ہے زندگی میں۔" اجیہ نے اکتا کر لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کیا۔ وہ پچھلے ڈھائی گھنٹے سے فیس بک پر بیٹھی اپنی فرینڈز سے چیٹ کر رہی تھی۔ اس نے لیپ ٹاپ رائٹنگ ٹیبل پر رکھا اور بھرپور انگڑائی لی۔ ڈھیلے ڈھالے پنک ٹراؤزر اور ملگجی سی وائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے وہ واقعی بے زار بے زار سی دکھائی دے رہی تھی۔ رواج کے مطابق چوتھی کی دعوت سے قبل میرب اپنے گھر رہنے جا چکی تھی۔ پھر اس کا جی اس منظر سے بھی اچاٹ سا ہو گیا۔

"شاور لے لوں' شاید سستی دور ہو جائے۔" وہ اپنی وارڈروب کی جانب بڑھی اور وائٹ نیو اور ملٹی کلر کی لانگ شرٹ برآمد کر کے واش روم کی جانب بڑھی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ ناگواری سے بولی۔

"ہاں کہو۔" انداز لالی کا تھا' وہ پہچان گئی تھی۔

"وہ چھوٹی بی بی! آپ کی دوست آئی بیٹھی ہیں

شینا بی بی! لالی نے مطلع کیا۔
"اچھا..." پل بھر میں اس پر چھائی ساری بے زاری ہوا ہو گئی۔ "تم ایسا کرو' اسے یہیں روم میں بھیج دو۔" وہ کہہ کر پلٹنے لگی۔
"مگر بی بی وہ صاب جی۔" لالی ہچکچا کر بولی وہ آپ جانتی ہیں ناکہ صاحب آپ کی سہیلیوں کا آپ کے کمرے میں آکر بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔" اس کی بات پر اجیہ کے چتون تیکھے ہو گئے۔
"زیادہ بک بک مت کرو' جو کہا ہے۔ اس پر عمل کیا کرو' جاؤ جا کر بلا لاؤ اسے یہاں۔" وہ اسے جھڑک کر چھپاک سے واش روم میں گھس گئی۔ لالی مجھے کیا' والے تاثرات چہرے پر سجائے شینا کو اس کے کمرے میں پہنچا گئی۔ جس وقت سر پر تولیہ لپیٹے نکھری نکھری فریش سی اجیہ باہر نکلی کاؤچ پر بیٹھی کسی فیشن میگزین کی ورق گردانی کرتی شینا نے میگزین سائیڈ پر رکھ کر اسے خفگی سے گھورا۔
"کتنی دیر لگادی' میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"
"ہیں... ہیں..." وہ مسکرا کر بولی "کتنا انتظار کرلیا' فوراً" ہی تو نکل آئی ہوں میں..." وہ اس کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔
"خیر... اتنے دن سے کہاں غائب ہو' نہ فون کیا' نہ خیر خبر لی؟" اجیہ نے بھی جواباً" خفگی آمیز لہجے میں کہا۔ "شادی اٹینڈ کر کے یوں غائب ہوئیں' جیسے گدھے کے سر سے سینگ..."
"نہ پوچھو... وہ ہاتھ اٹھا کر نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی' یہ آغا جب سے اسٹیٹس سے لوٹا ہے' مجھے لیے لیے نہ جانے کہاں کہاں کی سیریں کرتا پھر رہا ہے۔ یو نو میرے ڈیڈ تو خیر اپنے بزنس میں بزی رہتے ہیں اور مام اپنی سوشل ایکٹوٹیز میں اب لے دے کے کون رہ جاتا ہے اسے کمپنی دینے کو... آف کورس میں' سو اسی لیے نہ کسی فرینڈ سے مل سکی' نہ ہی تمہیں فون وغیرہ کر سکی اور تم نے بھی کون سا کرلیا۔" وہ اس کے سوال کا تفصیلی جواب دیتے دیتے' آخر میں جتاتے لہجے میں بولی۔
"ہاں بس یوں ہی یار بھائی جان کی شادی میں بزی تھی ذرا۔" وہ یوں بولی گویا شادی کا سارا بار اس نے اپنے نازک کندھوں پر اٹھا رکھا ہو۔ حالانکہ ایسی بات بالکل نہیں تھی' وجہ صرف یہ تھی کہ وہ ان دنوں عجیب سی ذہنی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔ مہ پارہ کو اپنے گھر میں چلتے پھرتے دیکھ کر لاشعوری طور پر وہ اپنی ماں کو یاد کر رہی تھی۔ اگر وہ ہوتیں تو کیا گھر یوں ہی بے جان سا لگتا۔ مہ پارہ جس طرح گھر میں دلچسپی لے رہی تھیں' یہ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ کبھی مالی کے سر پر کھڑی ہو کر لان میں لگے پودوں کی کانٹ چھانٹ کروا رہی ہوتیں۔ کبھی شریف سے اپنی نگرانی میں گھر کی صفائی کروا رہی ہوتیں۔ تو کبھی کچن میں کھڑی لالی کی مدد سے ایک سے ایک ذائقے دار پکوان تیار کر رہی ہوتیں۔ ان کا گھر پہلے بھی بہت صاف ستھرا چمکتا دمکتا سجا' سنورا رہتا تھا۔ کھانے بھی لالی مزے دار اور ورائٹی والے بناتی تھی مگر اس سب کے باوجود بھی کچھ کمی تھی جس کا احساس اب اجیہ کو شدت کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اس کے پاس سب کچھ تھا' مگر یہ کمی اس سب کچھ پر حاوی ہوتی چلی جا رہی تھی۔
"چلو اب تو ہو گئی نا شادی اب چھوڑو۔ ویسے بھی مجھے تم سے ایک انتہائی اہم بات شیئر کرنی ہے۔" وہ آنکھیں گھما کر تجسس پھیلا کر بولی۔
"اوکے... اوکے' کیا پیو گی یا کچھ کھانے کا موڈ ہے۔" اجیہ نے انٹر کام پکڑ کر شینا سے پوچھا۔
"فی الحال کچھ نہیں۔ البتہ کوئی ڈرنک منگوالو۔" وہ ہاتھ بڑھا کر ریموٹ پکڑتی ہوئی بولی اور ٹی وی آن کر دیا۔ جس وقت اجیہ لالی کو اورنج جوس لانے کی ہدایت دے کر پلٹی وہ کوئی انڈین فضول سا گانا لگا کر اس پر مزے سے پیر جھلا رہی تھی۔
"فرمائیے... اب۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولی اور گیلے بال تولیے سے آزاد کر کے اس میں تیز تیز انگلیاں چلانے لگی۔
"یار! یہ کرینہ نے کچھ وزن نہیں بڑھالیا۔" اس

نے بغور اسکرین پر برہنہ تھرکتی ہیروئن کو دیکھ کر تبصرہ کیا۔

"پلیز..." اجیہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بے ساختہ کہا۔ "اب تم کرینہ نامہ نہ اسٹارٹ کر دینا۔" تب ہی لالی نے دستک دی اور اندر آکر فریش جوس اور نمکین کاجو رکھ کر پلٹ گئی۔

"خیر جانے دو۔" شہنا کاجو کی پلیٹ اپنے نزدیک کھسکا کر بولی۔ "تم تو ہو ہی بے وقوف' پتا نہیں آغا کو تم میں کیا دکھائی دے گیا ہے کہ جب سے تمہاری ایک جھلک دیکھی ہے' بالکل پاگل سا ہو گیا ہے۔"

"ایکسکیوزمی... کیا کہا تم نے؟" جوس کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھاتی اجیہ یک لخطہ تھم سی گئی' اسے لگا اس نے سننے میں کچھ غلطی کی ہے۔

"ہاں تو اور کیا' اس دن شادی پہ تمہیں دیکھ کر وہ جیسے دیوانہ ہی ہو گیا ہے تمہارا۔ ہر وقت مجھ سے تمہاری باتیں کرتا رہتا ہے۔ وہ تو اسی رات تمہارا نمبر مجھ سے مانگ رہا تھا مگر میں نے اسے بتایا کہ تم کتنی کنزرویٹو لڑکی ہو' کہیں برا ہی نہ مان جاؤ' ویسے میں اتنا ضرور بتا دوں۔ آغا ڈشنگ ہے۔ ویل ایجوکیٹڈ ہے۔ امریکا میں اپنا بزنس کر رہا ہے' کوئی کمی نہیں ہے میرے بھائی میں۔ اسے شادی کرنے کے لیے عرصے سے کسی آئیڈیل کی تلاش ہے اور وہ کہتا ہے کہ تم اس کے آئیڈیل پر پوری اترتی ہو۔ خیر اب تم بتاؤ' پھر میں دے دوں اسے تمہارا نمبر۔" اس کی کترکتر زبان بلا تکان چل رہی تھی۔

ایک سنسنی سی اس کی رگ و پے میں دوڑ گئی۔ جو بھی تھا اجیہ کو اس کی یہ پیش کش اچھی لگی تھی۔

"کیا چپ کا روزہ رکھ بیٹھی ہو۔ بتاؤ بھی' آغا مجھے لینے آتا ہی ہوگا' بڑا بے تاب ہے وہ تم سے بات کرنے کے لیے۔" وہ شوخی سے بولی۔ اجیہ کے کان کی لویں دہکنے لگیں۔

"اوکے تم دے دینا میرا نمبر..." وہ بنا سوچ بچار کیے ہاں کہہ گئی۔

"اوہ نو!" شہنا فلک شگاف قہقہہ لگا کر ہنسی۔ "فار گاڈ سیک' تم بالکل سیونٹیز کی دہائی کی کوئی اسٹوپڈ سی لمبے لمبے سانس لینے والی ہیروئن لگ رہی ہو۔ آغا بہت انسپائرڈ ہو گا تم سے۔ وہ شرماتی ہوئی لڑکیوں کی شرم بہت انجوائے کرتا ہے۔" وہ بات کرتے کرتے اپنے موبائل کے بجنے پر چونک کر رک گئی۔

"لو بھئی... آغا آگیا ہے میں تو چلی۔" وہ فون سننے کے بعد بولی اور گلاس میں بچا ہوا جوس یوں ہی چھوڑ کر اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر' اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوکے' بائے... اچھا وہ جلد ہی تمہیں کال کرے گا ٹھیک؟" اس نے ایک مرتبہ پھر پوچھا تو اجیہ نے میکانکی انداز میں سرہلا کر اس سے ہاتھ ملایا۔ وہ ابھی تک اس کے کہے لفظوں کے سحر میں جکڑی ہوئی تھی۔

وہ اسے یوں ہی سحرزدہ سا چھوڑ کر کمرے کا دروازہ عبور کر گئی۔ لاؤنج میں بیٹھے تینوں نفوس نے اس جینز میں پھنسی لڑکی کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جو ابھی ابھی اجیہ کے کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔

"دیکھا تم نے مہ پارہ۔" وقار صاحب نے ناراضی بھرے لہجے میں کہا۔ "میں سخت عاجز ہوں اجیہ کی نت نئی دوستیوں سے۔ اگر میں اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ مجھ سے ناراض ہونے لگتی ہے' تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔" وہ واقعی اس کی دوستیوں سے سخت نالاں تھے۔

"کوئی بات نہیں بھائی صاحب... ابھی بچی ہی تو ہے' آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی۔ یوں بھی بن ماں کی بچی ہے۔ کوئی گائیڈ کرنے والا بھی نہیں تھا۔ اب ماشاء اللہ میرب بیٹی آگئی ہے' بہت سلجھی ہوئی' سمجھ دار لگی ہے وہ مجھے۔ دیکھیے گا ان شاء اللہ اجیہ کے لیے اس کا ساتھ بہت مفید ثابت ہو گا۔" مہ پارہ تسلی دینے والے انداز میں بولیں۔

"ہاں مہ پارہ..." وقار اثبات میں سرہلا کر بولے۔ "واقعی بہت گنوں والی بچی ہے۔ میں نے اس کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے' مجھے بھی اس سے یہ ہی امید ہے' وہ مان بھرے لہجے میں بولے۔

اتنی دیر سے ان دونوں کی گفتگو خاموشی سے مگر بغور

سنتا سائر میرب کے ذکر پر بے چین سا ہو گیا۔ وہ دن ہو گئے تھے اسے گئے ہوئے۔ نہ جانے وہ کیا کر رہی ہو گی۔ اس نے سوچا اور پتا نہیں یہ سوچ اسے کیوں مزید مضطرب کر گئی گو کہ وہ ہر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد اسے فون کر رہا تھا مگر پھر بھی کوئی چبھن سی تھی جو اس کے دل کو مطمئن نہیں ہونے دے رہی تھی۔ وہ ان دونوں کے پاس سے اٹھا اور ایک مرتبہ پھر اپنے کمرے میں آکر اسے کال ملانے لگا۔

☆ ☆ ☆

"اور سناؤ کیسی گزر رہی ہے؟" یہ عشا کے بعد کا وقت تھا۔ ماریہ اور میرب کا میرب کی شادی سے پہلے کا معمول تھا کہ وہ دونوں چائے کا بڑا سا کپ لے کر اس وقت میرب کی چھت پر چہل قدمی کیا کرتی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ خاندانی مسائل، دیگر دوستوں کے معاملات، کالج، اساتذہ وغیرہ کی باتیں بھی ڈسکیس کی جاتیں۔ جب سے میرب یہاں رکنے آئی تھی یہ معمول پھر سے دہرایا جا رہا تھا۔

"ابھی تو شادی کو صرف ہفتہ، ڈیڑھ ہفتہ گزرا ہے۔ ابھی تک تو بظاہر سب ٹھیک ہی ہے؟" اس نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"تمہاری نند، وہ کیسی ہے تمہارے ساتھ، آئی مین اس کا رویہ مجھے تو خاصی نک چڑھی سی لگتی ہے۔" ماریہ ناک چڑھا کر بولی۔

"ارے نہیں..." میرب نے مدافعانہ انداز میں کہا۔ "ایسی نہیں ہے وہ، البتہ لگتی کچھ اسی طرح کی ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا، لگتی ہے ایسی ہے نہیں؟" ماریہ نے کچھ چڑ کر پوچھا۔

"یار دیکھو... وہ محض دو ماہ کی تھی تو سائر کی مما کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ تم تصور تو کرو کہ انکل نے کیسے کتنی مشکلات جھیل کر اسے پالا ہو گا، پھر خالہ، پھوپھی بھی قریب نہ تھی، ماں کی محرومی کے سائے تلے پلی بڑھی ہے وہ۔ بس اسی لیے اس کی شخصیت میں کچھ کمی بھی

رہ گئی ہے۔ جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے، وہ موڈی ضرور ہے، بے مروّت نہیں۔ ہاں البتہ جذباتیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔" اس کے انداز میں ہمدردی کی جھلک نمایاں تھی۔

"تو انکل کو اتنے پرابلمز فیس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ ینگ تھے، پیسے والے تھے، اجیہ کی خاطر دوسری شادی کر لیتے۔" وہ بولی۔

"بات صرف اجیہ کی ہوتی تو شاید کر بھی لیتے، مگر چھ سالہ سائر بھی تو تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں سائر ان کے اس فیصلے سے ڈسٹرب نہ ہو جائیں۔ سائر نے تو بہرحال اپنی مما کو دیکھ رکھا تھا۔ ان کی محبت کا ذائقہ انہیں کسی دوسری عورت سے تو نہ مل سکتا تھا نا۔" وہ ہمدردانہ بولی۔

"بی بی میرب..." ماریہ شوخ سے لہجے میں یک دم ٹہلتے ٹہلتے رک کر بولی۔ "یہ تمہیں ایک ہی ہفتے میں اس کی فیملی کی ہسٹری بھی پتا چل گئی اور تو اور تم تو ناک تک سسرال کی ہمدردی میں ڈوب چکی ہو۔" اس کی بات پر میرب دھیمے سے ہنس دی۔ پھر کچھ توقف کے بعد سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"بات ہمدردی کی ہے بھی۔ میری نظر میں ماں جیسی ہستی سے محرومی دنیا کی سب سے بڑی محرومی ہے ماریہ۔ میرا بچپن اجیہ اور سائر سے مماثل ہے۔ شاید اسی لیے میں ان کا درد کچھ زیادہ محسوس کر رہی ہوں۔ پھر مجھے تو تمہاری امی کا ساتھ بھی میسر تھا۔ مگر اجیہ اور سائر یہاں بھی محروم رہے۔"

"ہوں... یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" ماریہ نے متفق ہو کر سر اثبات میں ہلایا۔

"خیر... یہ بتاؤ تمہارا ہنی مون کا کیا پلان ہے۔" ماریہ نے اس کا افسردہ چہرہ دیکھ کر موضوع بدلنا چاہا۔

"سائر کا کہنا ہے کہ پہلے تھوڑی انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے ہمارے مابین، پھر سوچیں گے۔" میرب نے چائے کا خالی کپ منڈیر پر رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو حیرت ہوتی ہے تمہیں دیکھ کر میرب، شادی سے قبل تو نہ جانے کون کون سے اندیشے اور بدگمانیاں پال رکھی

تھیں تم نے اس بندے کے متعلق' اور اب اپنا حال دیکھو۔" ماریہ نے شرارت آمیز لہجے میں کہتے ہوئے مصنوعی تاسف سے سرہلایا۔ "تمہاری گفتگو کا محور و مرکز ہی سائر بن کر رہ گیا ہے۔ پتا نہیں یہ شادی کے بعد لڑکیوں کو کیا ہو جاتا ہے چچ چچ۔"

"کچھ دن بعد پوچھوں گی تم سے کہ کیا ہو جاتا ہے۔" میرب منہ پر بدلہ لینے والے انداز سے ہاتھ پھیر کر بولی۔

"ویسے میں سنجیدگی سے پوچھ رہی ہوں کہ آخر ایسا کیا ہو جاتا ہے کہ جب دیکھو تب لڑکیاں 'وہ یہ کہتے ہیں' وہ یوں کرتے ہیں۔ کہتی نظر آتی ہیں بتاؤ۔" وہ استفسار کرنے لگی۔

"شاید محبت ہو جاتی ہے۔ نکاح کے بولوں میں واقعی اثر ہوتا ہے۔ میرا تجربہ تو یہ ہی کہہ رہا ہے۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

"اور اسے... یعنی سائر کو ہوا یہ خوش گوار تجربہ؟" وہ جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں کیوں نہیں' اس کے شگفتہ لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔ جب سے یہاں آئی ہوں سینکڑوں مرتبہ مجھے کال کرچکے ہیں' یہ انداز محبت نہیں تو اور کیا ہے۔" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔

"اسے محبت نہیں نئی نئی شادی کا خمار کہتے ہیں۔" ماریہ نے جیسے تپ کر کہا۔ وہ اس کے لہجے پر بے ساختہ ہنس دی۔ تب ہی اس کا بھائی عاشر' میرب کا موبائل ہاتھ میں لیے اسے ڈھونڈتا ہوا چھت پہ چلا آیا۔

"میرب تمہارا فون کب سے بج رہا ہے۔ سائر کی کال آرہی ہے۔ دیکھو اسے کوئی اہم بات نہ کرنی ہو۔" عاشر نے موبائل اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

"اب تم میرڈ ہو میرب ایسی باتوں سے لاپروائی اچھی نہیں ہوتی۔" وہ اسے سرزنش کرنے لگا' تب ہی فون پھر بجنے لگا تو وہ دونوں ہاتھ منڈیر پر رکھ کر نیچے جھانکتی ماریہ کے پاس چلا آیا۔

"ہیلو..." میرب نے سرعت سے فون ریسیو کیا۔

"ہیلو... سب خیریت تو ہے' کہاں تھیں تم' فون کیوں نہیں ریسیو کر رہی تھیں۔" وہ ٹھہرے ہوئے گمبھیر لہجے میں استفسار کرنے لگا۔

"وہ سائر میں چھت پر ہوں' فون نیچے ہی رہ گیا تھا تو اس لیے ریسیو نہ کرسکی۔" اس نے وضاحت دی۔

"اچھا... اس نے کہا' پھر ٹھہر کر پوچھنے لگا' کون کون ہے چھت پر؟"

"میں اور ماریہ تھے اور ہائے..." وہ نسبتاً چھت کے اندھیرے گوشے میں آکر بات کر رہی تھی' اچانک کسی کے ہاؤ کرنے پر جواب دیتے دیتے بُری طرح اچھلی۔

"خدا کی پناہ سعد۔" وہ پیٹ پکڑ کر دہرے ہوتے سعد کو دیکھ کر بے پناہ خفگی سے بولی۔ "تم نے تو میری جان ہی نکال دی۔" ابھی تک اس کے بدن پر کپکپی طاری تھی۔

"بس دیکھ لیا تمہارا جگرا۔ تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے لڑکی۔" وہ اس کے ڈر کر اچھلنے پر ہنستے ہنستے بے حال ہو جا رہا تھا۔ سو اپنا کارنامہ عاشر اور ماریہ کو سنانے ان کی طرف چل دیا۔

"اچھا تو یہاں مصروف تھیں تم' سوری تمہیں ڈسٹرب کیا۔ اوکے' پھر بات ہوگی' اپنا خیال رکھنا۔" سائر نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ اس نے بڑی پریشان کن حیرانی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں موجود سیل کو دیکھا۔ پھر خود سے کال ملائی۔ اس کا فون بند ہو چکا تھا۔

"اسے کیا ہوا؟" وہ سخت متعجب تھی۔ اسے سمجھ ہی نہ آیا۔

"کیا وہ بدگمان ہوا ہے؟" یہ بہت جلد اسے سمجھ آجاتا تھا۔ یک دم ہر شے سے جی اچاٹ سا ہو گیا تھا۔ تاہم وہ سر جھٹک کر ان کی طرف بڑھی' جہاں وہ تینوں کسی بات پر قہقہے لگانے میں مصروف تھے۔

☆ ☆ ☆

"کیا میں نے آغا سے بات کرلینے کی ہامی بھر کے کچھ غلط تو نہیں کیا؟" شہنا کے جانے کے بعد بھی وہ کافی دیر

تک اسی ادھیڑبن میں رہی۔ ایک طرف دل اس سے بات کرنے پر مائل تھا تو دوسری جانب دماغ کی سرزنش۔

"اوں ہوں۔۔۔ یہ غلطی بھول کر بھی مت کرنا۔" وہ سوچتی رہی' الجھتی رہی' لالی کھانے کا کہنے آئی' اس نے انکار کردیا۔ مہ پارہ متفکر سی ہو کر اسے پوچھنے چلی آئیں۔

"کیا بات ہے بیٹا' طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ نیم دراز اجیہ کی پیشانی چھو کر بولیں۔

"جی خالہ جانی' ٹھیک ہوں میں بالکل۔۔۔ آپ بیٹھیں۔" اس نے اپنے بکھرے بال سمیٹ کر جوڑا بناتے ہوئے کہا۔

"کچھ پریشان سی لگ رہی ہو۔ سب خیریت تو ہے نا؟" انہوں نے ٹٹولتی نگاہوں سے اس کا ستا ہوا' مگر حسین چہرہ دیکھ کر سوال داغا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ موسم تبدیل ہو رہا ہے' شاید اسی کا اثر مجھ پر بھی ہو گیا ہے۔" اجیہ نے اپنے بکھرے بال سمیٹ کر جوڑے کی شکل میں قید کیے۔

"اپنا خیال کیا کرو جان۔۔۔ دیکھو تو کتنا سا منہ نکل آیا ہے۔ یقیناً" تمہیں نظر بھی خوب لگی ہوگی۔ لگ بھی تو بالکل شہزادی رہی تھیں تم۔ میں تو ایک پل کے لیے حق دق ہی رہ گئی تھی' لگا جیسے گل مجسم سامنے چلی آئی ہو۔ خیر ابھی وضو کر کے معوذتین پڑھ کر دم کیے دیتی ہوں' نظر و نظر سب اتر جائے گی۔ گرم دودھ بھجوا رہی ہوں' پی کر ٹیبلٹ لے کر لیٹ جانا' ٹھیک ہے بیٹا۔"

وہ اسے شفقت سے پچکار کر بیڈ سے اٹھیں۔ تب ہی پیچھے سے اجیہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"خالہ جانی۔۔۔ آپ بہت اچھی ہیں' اگر کبھی میں نے آپ کا دل دکھایا ہو تو اس کے لیے سوری۔" وہ اتنی بے ساختہ قسم کی معصومیت سے بولی کہ مہ پارہ نثار ہی ہو گئیں۔

"نہیں میری جان۔" وہ اس کا چاند چہرہ اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لے کر بولیں۔ "تم تو اتنی کیوٹ ہو' تم بھلا کیسے میرا دل دکھا سکتی ہو۔ اب الٹی سیدھی سوچوں کو خیرباد کہہ کر ریلیکس کرو۔ میں ٹیبلٹ اور دودھ بھجواتی ہوں۔" وہ اس کا ماتھا چوم کر نم آنکھوں سے بولیں۔ سچ تو یہ تھا کہ نہ جانے کیوں مہ پارہ کا دل اجیہ اور سائر کو دیکھ کر کٹ سا جاتا تھا۔ اجیہ نے اثبات میں سر ہلایا اور بیڈ کراؤن سے سر ٹکا کر آنکھیں موندلیں۔ مہ پارہ جاتے ہوئے دروازہ بند کر گئیں۔

کبھی کبھی دل اتنا خالی خالی سا کیوں لگنے لگتا ہے۔ وہ پشت سے سر ٹکائے سوچ گئی۔ تب ہی کمرے کی پرسکون فضا میں اس کے موبائل نے ارتعاش پیدا کیا۔ نم آنکھوں سے ٹپکا آنسو انگلی کی پور سے جھٹک کر موبائل کی اسکرین دیکھی۔ وہاں کوئی انجان نمبر تھا۔ کئی روز سے اسے کوئی انجان نمبر سے کال کر رہا تھا۔ سوئے قسمت کہ وہ اٹھا ہی نہیں پاتی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے فون ریسیو کر کے کہا۔

"زہے نصیب۔۔۔ کیا میں اجیہ سے بات کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" زندگی سے بھرپور شوخ آواز! اجیہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

"ک۔۔۔ کون بات کر رہا ہے؟" اس کی آواز اٹکنے لگی۔ اپنا دل اسے کانوں میں دھڑکتا سنائی دینے لگا۔

"خاکسار کو آغا شایان کہا کرتے ہیں زمانے والے۔ آپ کا جو جی چاہے نام دے لیجیے' محبت کی زبان میں ہمارا نام مجنوں' فرہاد' رومیو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ شرط یہ کہ آپ لیلیٰ' شیریں یا جولیٹ بننے پر راضی ہوں۔"

کیا خوب صورت و دلنشین انداز تکلم تھا' اجیہ عش عش کر اٹھی۔

"سن رہی ہیں نا آپ؟" اس نے جیسے اس کی مسلسل چپ سے مجبور ہو کر پوچھا۔

"جی میں سن رہی ہوں' آپ کہیے۔" وہ کچھ توقف کے بعد اپنی دھڑکنوں پر قابو پا کر بولی۔

"میں نے کہہ دیا۔۔۔ اب آپ کی سمجھ داری کا امتحان ہے کہ پلے کچھ پڑا ہے یا نہیں۔" وہ متبسم لہجے میں بولا۔

"بے وقوف نہیں ہوں' سمجھ گئی ہوں' اچھا۔!" وہ

براماں کر بولی۔ دوسری جانب اس کا قہقہہ بڑا جان دار تھا۔

"خوب خوب وہ جیسے مزہ لے کر بولا۔ "بیوٹی ود برین کا کامبنیشن شاذو نادر ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ خیر آپ کے پاس برین نہ بھی ہوتا تو چلتا۔ میں تو آپ کے حسن جہاں سوز پر مرمٹا ہوں' مجھے اور کسی شے سے کیا لینا دینا۔"

"میں حیران ہوں' آپ اسٹیٹس میں رہ کر بھی اتنی ثقیل اردو کیسے بول لیتے ہیں۔" وہ تحیر سے آنکھیں پھیلا کر بولی۔

"کیا بدمذاقی ہے۔ یہاں حال دل بیان کر رہا ہوں اور آپ میری زبان و بیان پر سوال اٹھا رہی ہیں۔ افسوس صد افسوس۔" وہ مایوسی سے سر ہلا کر بولا۔ تو وہ کچھ کنفیوژ سی ہو گئی۔

"پھر خاموشی...! میں نے آپ کی خاموشی سننے کے لیے تو فون نہیں کیا۔ وہ تو میں چشم تصور میں روز ہی سن لیتا ہوں۔" وہ کچھ جھنجلایا تھا۔

"دراصل میں میری سمجھ میں ہی نہیں آرہا ہے کہ میں آپ سے کیا بات کروں؟" وہ جیسے بے بسی سے بولی تھی۔

"اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا... کاش تم اس وقت میرے سامنے ہوتیں۔ میں تمہاری معصومیت پر تمہیں ضرور خراج پیش کرتا۔" اس کا لہجہ آنچ دیتا تھا' وہ قطرہ قطرہ پگھلنے لگی۔

"آپ اسٹیٹس میں کیا کرتے ہیں؟" وہ بوکھلا کر پوچھ بیٹھی۔

"جھک مارتا ہوں۔" وہ چڑ کر بولا۔ تب وہ یک دم ہنس دی۔ نرم پھوار سی ہنسی۔ آغا شایان کا تن من بھیگنے لگا۔

"سنو اجیہ فاروقی... تم مجھے بری طرح بھا گئی ہو۔ میں زیادہ لاگ لپٹ کرنے کا قائل نہیں' صاف گو بندہ ہوں' تم سے ملاقات کرنے کا متمنی ہوں۔ کیا مجھ سے مل سکو گی؟" اب کی بار اس نے صاف صاف بات کرنے کی ٹھانی۔

"کیا بندے ہو تم؟ پہلی ہی مرتبہ میں اظہار محبت کر ڈالا اور اب ملنے کی فرمائش' ایسا بھی بھلا کہیں ہوتا ہے؟" وہ استعجابیہ لہجے میں کہہ گئی۔

"میری طرف تو ایسا ہی ہوتا ہے اور یہ ہی طریقہ مجھے پسند بھی ہے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو کتنی ہی فون کال محض یہ اندازہ لگانے میں ضائع کردیتے ہیں کہ آیا محبوبہ کے دل میں ان کے لیے نرم گوشہ ہے یا نہیں۔ میں تیز رفتار دنیا کا باسی ہوں۔ اسی لیے ڈائریکٹ تم سے یوں بات چیت کر رہا ہوں' اب تم بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟" اس کے لہجے سے لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ پہلی بار اجیہ سے گفتگو کر رہا ہے۔ اجیہ اس کے دوٹوک اور کھرے انداز گفتگو سے متاثر ہوئی تھی۔

"مگر شایان... مجھے کچھ دن لگیں گے۔ مجھے تو ٹھیک سے تمہارا چہرہ بھی یاد نہیں' میں اتنی جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔" وہ بھی صاف گوئی سے بولی۔ وہ اب اپنی کیفیت پر مکمل قابو پا چکی تھی۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں جب تک ملو گی نہیں' مجھے دیکھو گی کیسے۔ جب دیکھو گی ہی نہیں تو مجھے سمجھنے میں بھی دشواری ہو گی۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔ تب ہی دروازے پر ہونے والی دستک سے اجیہ ہڑبڑا سی گئی۔

"اوکے... میں کل بتاؤں گی' ٹھیک؟" وہ جلدی سے بولی اور دوسری طرف وہ کھل کر مسکرا دیا۔

"ٹھیک ہے... اپنا بہت خیال رکھنا' بائے۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

"ہاں آجاؤ..." وہ اسی کیفیت کے زیر اثر بولی۔ آنے والی لالی تھی۔ اس نے دودھ کا گلاس ٹیبل پر رکھا' ٹیبلٹ نکال کر اسے پانی کے ساتھ دی۔ جو اس نے بلاحیل و حجت نگل بھی لی۔ کب لالی باہر گئی اسے خبر نہیں۔

محبت تو اپنا آپ بھی بھلا دیتی ہے۔ اسے اگر اردگرد کا ہوش نہیں رہا تھا تو یہ کچھ ایسا عجیب بھی نہ تھا۔

تاحد نگاہ تک جلتا بلتا صحرا پھیلا ہوا تھا۔ سورج سوا نیزے پر پہنچا' بڑے طیش و حقارت سے نیچے دیکھ رہا تھا۔

ایسے میں وہ کوئی پانچ یا چھ سال کا بچہ تھا جو نیکر اور بنیان پہنے اس قہربار صحرا میں پاپیادہ تن تنہا بھاگ رہا تھا۔ سر پر آگ انڈیلتا سورج اور زمین پر تپتی لاوا بنی چادر اس کے پیر جھلسا رہی تھی' مگر نہ جانے کیسی دیوانگی اس پر طاری تھی کہ وہ بنا رکے بنا ٹھہرے بھاگے چلا جارہا تھا۔ دور افق کی لکیر کے پاس کوئی آنچل سا پھڑپھڑاتا دکھائی دیا اور اس کے بھاگنے میں شدت پیدا ہو گئی۔

"رکو۔۔۔ رکو۔۔۔ دیکھو میں آرہا ہوں تمہارے پاس' مجھے چھوڑ کر مت جاؤ خدارا ٹھہر جاؤ۔۔۔ چاروں طرف پیاس ہی پیاس بکھری ہے۔ دھوپ کی تمازت مجھے جھلسائے دے رہی ہے' مجھ پر آنچل کا سایہ کرو' مجھے زندگی کی نوید سنادو' میں تھک رہا ہوں' خدارا رک جاؤ۔" وہ چیختا رہا آگے بڑھتا رہا' یہاں تک کہ وہ جو کوئی بھی تھی۔ اس کے قریب پہنچنے پر اس کی طرف پلٹی۔ گلابی ساڑھی میں ملبوس اس وجود پر موجود آنکھوں میں اس کے لیے ایک نرم شفیق سا تاثر تھا۔ خوب صورت لبوں پر نمودار ہوتی مسکراہٹ۔

اسے حوصلہ ہوا تھا۔ یکلخت موسم بدلا۔ آگ اگلتے سورج کا گلا سرمئی اور نارنجی بادلوں نے دبادیا۔ ہوائیں سرسرانے لگیں۔ جلتے خشک پیڑوں کی آگ سرد پڑنے لگی۔ اس نے لپک کر پھڑپھڑاتا ساڑھی کا پلو تھام لیا۔ وہ اب پرسکون سا ہو کر مسکرا رہا تھا' مگر یہ کیا۔۔۔ یک بیک ہی گلابی ساڑھی میں ملبوس وجود کی آنکھیں بدلی تھیں۔ ان آنکھوں کا نرم تاثر غائب ہو گیا' اس کی جگہ قہر نے لے لی۔ مسکراہٹ تو ہونٹوں پر اب بھی موجود تھی' مگر نامہربان' کریہہ مسکراہٹ۔۔۔ پھر یک بیک اس کا ہاتھ اٹھا اور ایک زناٹے دار تھپڑ کی صورت اس پھولے پھولے گالوں والے بچے کے گال پر پڑا۔ وہ الٹ کر پیچھے گرا تھا۔ ساڑھی کا پلو اس کے ہاتھ سے پھسل گیا تھا۔

"سنپولے۔۔۔ تو دیکھنا ایک دن تیرا گلا گھونٹ دوں گی۔ آ' اب میرے نزدیک آ۔" وہ دونوں بانہیں پھیلا کر آگے بڑھی۔ اسی وقت ایک اور وجود نہ جانے کہاں سے نمودار ہوا اور وہ بھی گلابی ساڑھی والی کی تقلید میں اس کی جانب دونوں بانہیں پھیلائے بڑھا۔

"آؤ سائر! میرے پاس آؤ۔۔۔ آؤ نزدیک آؤ۔"

"آ' اب آمیرے قریب' چھری سے تیرا گلا کاٹ دوں گی' اگر اپنی زبان کھولی تو۔" وہ بے تحاشا قہقہے لگا رہی تھی۔ بے ربط سے مگر دل دہلانے والے الفاظ بول رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں مجھے چھوڑ دو۔۔۔ چھوڑ دو۔" وہ اپنی جان بچانے کے خیال سے دوڑ پڑا۔

"سائر ٹھہرو۔۔۔ میں بھی آتی ہوں' نیچے فون بھول گئی تھی نا چھت پر اکیلی تھی۔" وہ مکاری سے آنکھیں مٹکا کر بولی۔

"ہاؤ۔۔۔" کسی نے زور سے کہا تھا' وہ ہنسنے لگی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں خدا کے لیے تم دونوں مجھے چھوڑ دو۔" وہ دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر دوڑ رہا تھا۔ آسمان اب بارش برسا رہا تھا۔ انگاروں کی بارش۔۔۔

"ہاہاہا۔۔۔ آاب آنزدیک آ۔"

"سائر میں ماریہ کے ساتھ اکیلی تھی ہاہاہا۔"

دونوں آوازیں مدغم ہو رہی تھیں۔ وہ دوڑتا رہا' یہاں تک کہ وہ دونوں بہت دور رہ گئیں۔ کسی چیز سے اس کا پاؤں الجھا تھا۔ وہ منہ کے بل زمین پر آرہا۔ ایک جھٹکے سے سائر کی آنکھ کھلی تھی۔ اس کی سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔ سر سے پیر تک باوجود اے سی کی ٹھنڈک کے وہ پسینے پسینے تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ ارد گرد نگاہ دوڑائی اور دونوں ہاتھوں پر سر گرالیا۔ کچھ دیر بعد حواس یکجا ہوئے تو اٹھ کر کمرے کے فریج تک آیا۔ اس میں موجود ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر بے تابی سے لبوں سے لگا کر ایک سانس میں خالی کردی۔ پھر

اسے یوں ہی پھینک کر سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ اٹھا کر ٹیرس پر نکل آیا۔

چار سو مہیب سناٹا بکھرا پڑا تھا۔ آسمان کی گود چاند سے خالی تھی۔

"کیوں آخر کیوں' یہ بھیانک خواب میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ میں کب تک اس خواب کا بوجھ ڈھوتا رہوں گا۔" اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر گاڑھا دھواں فضا میں بکھیرا۔

زندگی کتنی آگے بڑھ گئی' مگر یہ خواب آج بھی وہیں کھڑا ہے۔ میں اپنا دامن اس سے کیوں نہیں چھڑا پایا اور میرب۔۔۔ ہاں میرب بھی تو تھی آج اس خواب میں۔ وہ بھی میرا پیچھا کر رہی تھی۔ خواب الہام ہوا کرتے ہیں' تو کیا آج کا یہ برسوں پرانا خواب میرے لیے کوئی اشارہ ہے؟ کیا میرب اس عورت کی جگہ لینے والی ہے؟ اف خدایا میں کیا کروں؟" اس نے بے چینی سے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ گویا کہ وہاں سے جواب کا طالب ہو۔

مگر میں تو وقار نہیں ہوں' کچھ دیر مضطرب رہنے کے بعد اس کی بادامی ساحر آنکھوں میں چمک سی لہرائی تھی۔ ہاں۔۔۔ اگر وہ اس عورت کی جگہ بھی آگئی میں تب بھی سائر ہی رہوں گا' وقار ہرگز نہیں بنوں گا۔ وقار شاید مجبور تھا یا کم ہمت' مگر سائر فاروقی نہ ہی مجبور ہو سکتا ہے اور نہ ہی بے بس اور یہ بات وقت آنے پر میں بہت اچھی طرح ثابت کر دوں گا۔ اس نے جیسے تہیہ کیا' سگریٹ زمین پر پھینک کر چپل پہنے پاؤں سے یوں مسلی جیسے وہ چشم تصور میں کسی کا سر کچل رہا ہو۔

آسمان پر نمودار ہوتی سفید دھاری نے بڑی مشکل سے یہ تاریک منظر دیکھا تھا۔ چرند پرند ثناء خوانی میں مشغول ہو چکے تھے۔ فجر کی اذان بلند ہونے لگی۔ وہ واپس اندر پلٹ آیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ لیجیے کھایے' آپ نے یہ سیب پورا ختم کرنا ہے۔" میرب نے پیار بھری دھونس اپنے والد ابراہیم صاحب پر جماتے ہوئے کہا۔

کل رات اس پر بے حد گراں گزری تھی۔ سائر کا بند فون بند ہی رہا۔ وہ اس کی ناراضی کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ اور کچھ کچھ خود بھی اس سے ناراض ہی تھی۔ اگر کوئی شکایت تھی تو کہنا چاہیے تھا یہ کیا کہ فون بند کر دیا۔ اب مقابل پریشان ہوتا رہے۔ بڑی مشکل سے اس کی آنکھ لگی تھی۔ فجر کی نماز بھی قضا ہو گئی۔ وہ کف افسوس ملتی ساڑھے نو بجے اپنے کمرے سے باہر آئی تھی۔ ان کی ملازمہ رکھی صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر اب ناشتے کی تیاری کر رہی تھی۔ میرب نے اس کے ساتھ مل کر عاشر کے من پسند قیمے کے پراٹھے بنائے۔ میز لگوا کر اور رکھی کو تھوڑی دیر بعد چائے لانے کا کہہ کر وہ میز پر آبیٹھی۔ اب وہ ابراہیم صاحب کو بڑی نفاست سے سیب کاٹ کاٹ کر دے رہی تھی۔ ساتھ ساتھ یہاں وہاں کی باتیں بھی کر رہی تھی۔

"اوں ہوں بس بھئی۔" ابراہیم صاحب نے اسے مزید ایک قاش اپنی طرف بڑھاتے ہوئے دیکھ کر نفی میں ہاتھ ہلایا' انہوں نے ایک ہاتھ سے اخبار پکڑ رکھا تھا۔

"ایک سیب تو پورا کھا لیجیے بابا۔" وہ اصرار کرنے لگی۔ "اپنی صحت کا آپ ذرا بھی دھیان نہیں رکھتے ہیں۔ جب کھائیں گے پئیں گے' نہیں تو صحت بھلا خاک بنے گی۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو؟" اسی وقت نکھرا نکھرا سفید کاٹن کے شلوار کرتے میں گیلے گھنے بالوں میں انگلیاں چلاتا عاشر کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میری تو ایک نہیں سنتے تم ہی کچھ سمجھاؤ۔" وہ اپنے آگے رکھی پلیٹ میں گرما گرم پراٹھا ہاٹ پاٹ سے نکال کر رکھتے ہوئے بولا۔

"کیا سنوں برخوردار! تم مانتے ہو میری' جو میں تمہاری بات سنوں' اب کی مرتبہ وہ بھی خفگی سے بولے۔

"ارے کیا ہوا خیریت؟" میرب نے چونک کر رغبت سے پراٹھوں سے انصاف کرتے عاشر کو دیکھا۔

"بابا تم سے خفا ہیں کیا؟" وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔ ان دونوں کے مابین کسی نہ کسی وجہ سے کبھی کبھی اختلاف رائے ہو جاتا تھا' وہ یہی سمجھی۔

"میں تو نہیں جانتا تم خود ہی پوچھ لو۔" وہ تجاہل عارفانہ سے گویا ہوا۔

"آپ ہی بتا دیں۔" وہ ان کے نزدیک نیم گرم دودھ کا گلاس رکھ کر بولی۔ جو وہ بنا کچھ کہے اٹھا کر غٹا غٹ پی گئے اور نیپکن سے منہ صاف کر کے اپنا اخبار سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ تم اسے اچھی طرح سمجھاؤ مجھ سے گھر میں چھائے سناٹے مزید برداشت نہیں ہوتے۔ بہتر ہو گا کہ یہ اپنے لیے کوئی فیصلہ کر لے۔" وہ جاتے جاتے اسے اصل بات سے آگاہ کر گئے۔ میرب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔" اس نے اپنے سے دو تین سال بڑے مگر بے تکلف بھائی کی جانب شرارت آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

"ہوں۔ بات تو یہی ہے۔" عاشر نے اقراری انداز میں سر ہلایا۔

"تو تم بابا کی بات مان کیوں نہیں لیتے؟ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے' یو کے میں اچھی جاب ہے تمہاری' کہو تو تمہارے لیے میں کوئی لڑکی دیکھوں؟" میرب نے خلوص دل سے پیشکش کی۔ رکھی چائے رکھ کر پلٹ رہی تھی اسے رکنے کا اشارہ کیا اور چائے بنا کر اسے کپ تھما کر بولی "یہ بابا کو دے آؤ۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" وہ قہقہہ لگا کر اپنے لیے چائے بنانے لگا۔

"یہ تو غلط بات ہے عاشر۔" وہ فہمائشی لہجے میں بولی۔ "تم شادی اب نہیں تو پھر کب کرو گے؟" وہ چائے کا گھونٹ بھر کر اسے دیکھنے لگی۔

"یار دیکھو۔ اس سال تو بالکل بھی ارادہ نہیں ہے۔ بابا کی خواہش اپنی جگہ' مگر میرا کیریر اس وقت بڑے اہم موڑ پر ہے۔ ویسے ہی تمہاری شادی کے سلسلے میں اتنی چھٹیاں لے چکا ہوں۔" وہ چائے کا گھونٹ بھر کر ٹالنے والے انداز میں بولا۔

"میں شادی کا پوچھ رہی ہوں تم چھٹیوں کا کہہ رہے ہو۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی؟" وہ ناراضی آمیز لہجے میں بولی۔

"بھئی شادی کے لیے بھی تو چھٹیاں درکار ہوں گی یا نہیں۔" عاشر نے جیسے بڑے پتے کی بات کی۔

"اب اتنی چھٹیاں لیتا رہا تو کہیں وہ لوگ میری مکمل چھٹی ہی نہ کر دیں۔ یوں بھی آج کل میری کمپنی میں ڈاؤن سائزنگ زوروں پر ہے۔" وہ نچلا لب بھینچ کر شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے گویا تھا۔

"تم بھی عجیب بات کرتے ہو' شادی اتنی آسانی سے تھوڑی ہوتی ہے؟ ابھی تو لڑکی ہی نہیں دیکھی گئی' باقی معاملات تو بعد کی بات ہیں۔" وہ جیسے اس کی سادہ لوحی پر مسکرائی تھی۔

"لڑکی دیکھنے کی زحمت مت کرنا۔" اس نے ٹوکا۔

"لڑکی نہیں دیکھیں گے تو پسند کیسے کریں گے؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"وہ میں پسند کر چکا ہوں۔" وہ قطعی لہجے میں بولا۔

"ریئلی' میرب نے خوشگوار حیرت سے کہا۔ "گھنے ہو پورے' کہاں پسند کی؟ کیسی ہے؟ وہیں لندن میں یا یہاں پر تمہارے کسی دوست کی بہن ہے؟" خوشی سے کھنکتی آواز میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"میرا خیال ہے کہ دس بارہ اندازے اور لگا لو شاید جواب تک رسائی ہو ہی جائے۔" وہ جیسے چڑ کر بولا۔

"سو سوری۔" وہ جلدی سے بولی۔ "چلو تم ہی بتا دو کون ہے۔ وہ؟" اس نے مشتاق لہجے میں پوچھا۔

"سائر کی بہن۔ اجیہ۔" وہ نہایت سکون سے بولا۔ اور چائے کا آخری گھونٹ بھر کر پلیٹ پرے سرکا دی۔

"اجیہ؟" اس نے تحیر سے دہرایا۔ پتا نہیں کیوں مگر وہ یہ نام بلکہ غیر متوقع نام سن کر کچھ پریشان سی ہو گئی۔

"ہاں کیوں؟ کیا اچھی نہیں ہے وہ۔" اس مرتبہ عاشر نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"بہت اچھی ہے۔" وہ سنبھل کر بولی۔

"مگر" اس کے آگے وہ گومگو کا شکار ہو گئی۔

"کیوں کیا کہیں انگیجڈ ہے؟" وہ ہنوز سنجیدگی سے پوچھتا گیا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں مگر شاید سائرہ اس کا رشتہ یہاں کرنا پسند نہ کریں۔ دہرا رشتہ جوڑنے میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔

"خیر۔ خیر۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر ہلکے پھلکے لہجے میں گویا ہوا۔ "وہ مجھے واقعی پسند آئی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں سب کچھ داؤ پر لگا کر اسے پانے کا متمنی ہوں۔ رشتوں کی نزاکتیں اور باریکیاں شاید میں اتنی نہیں سمجھتا، مگر پھر بھی یہ جانتا ہوں کہ ایسی شادیاں بعد میں مسائل بھی پیدا کر سکتی ہیں۔ تم بالکل فکر مت کرو میں نے تو یوں ہی ایک بات کی ہے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو معاملہ پروسیڈ کرنا ورنہ نہیں، میں تمہیں تفکرات میں دھکیل کر اپنی خواہش کو پورا کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔" وہ یقین دلانے والے لہجے میں بولا۔ وہ یقین نہ بھی دلاتا تب بھی میرب اپنے بھائی کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ اس پہ اور بابا پر اپنی جان بھی نچھاور کر سکتا تھا۔ یہ تو محض ایک چھوٹی سی خواہش تھی۔ اس کے محبت بھرے انداز پر میرب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"میں جانتی ہوں تم ایک بہت اچھے بھائی ہو۔" وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"ہوں تو سہی۔" وہ بھی مسکرا دیا۔ تب ہی تیز تیز بولتی ماریہ ڈائننگ ایریا میں داخل ہوئی۔

"واہ جناب واہ۔ یہاں اطمینان کا یہ عالم ہے کہ ابھی تک ناشتہ ہی تمام نہیں ہوا۔ اور وہاں ہماری والدہ ماجدہ نے رات ہونے والی دعوت کی فکر میں ہمیں ٹھیک سے ناشتہ بھی نہیں کرنے دیا۔ چلو لڑکی بتاؤ ناشتے میں کیا ہے، بڑے زوروں کی بھوک لگی ہے اور یہاں بڑی اشتہا انگیز خوشبو چکراتی پھر رہی ہے۔" ماریہ نے بے نقط بولتے کرسی کھینچی اور اس پر بیٹھ گئی۔

"ماریہ بولنے کے درمیان سانس لینے کا وقفہ تو لیا کرو۔" عاشر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے ٹوکا، "میں ذرا ایک کام سے اپنے دوست کی طرف جا رہا ہوں ایک گھنٹے تک واپسی ہو جائے گی۔ انتظامات کے سلسلے میں کوئی بات ہو تو مجھے فون پر کانٹیکٹ کر لینا۔ باقی میں آکر دیکھتا ہوں اوکے۔" وہ کہہ کر میز سے اٹھ گیا۔ میرب نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا پھر انتہائی تیزی سے بڑے بڑے نوالے نگلتی ماریہ کی جانب متوجہ ہوئی۔

"ماریہ آرام سے کھاؤ، اور آنٹی سے کہو رات کی دعوت کی اتنی ٹینشن مت لیں، سب ہو ہی جائے گا۔" وہ رسان سے بولی۔

"ایسا ہے کہ یہ بات تم خود آکر امی سے کہہ دو۔" نوالہ چبانے کے دوران مشورہ دیا گیا۔ "میری تو سنیں گی نہیں۔ انہیں کون سمجھائے کہ بی بی میرب شادی کے دو ہی ہفتے بعد ان کی محبتوں کو احسان سمجھنے لگی ہیں۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے؟" میرب سرعت سے کھسیاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔ "آنٹی کی محبتوں کو میں احسان ہرگز نہیں سمجھتی۔ ماریہ کیا تم مجھے اتنا کم ظرف گردانتی ہو؟" اس نے متاسف لہجے میں سوال کیا۔

"بس بس زیادہ ملکہ جذبات بننے کی ضرورت نہیں۔ امی نے تمہیں رات کا مینو ڈسکس کرنے کے لیے بلوایا تھا۔ لیکن روسٹ اور بریانی وہ خود بنائیں گی۔ میٹھا وغیرہ ہمارا شیف بنا لے گا۔ چائنیز وہ کسی اچھی سی جگہ سے منگوا لیں گی۔ سیخ کباب اور بوٹی میرینیٹ کر چکی ہیں وہ۔ ڈنر سے پہلے گوگی (شیف) انہیں باربی کیو کرے گا۔ اور کچھ ذہن میں آتا ہو تو بتاؤ اور ہاں چائے نکالو میرے لیے ذرا۔" اس نے ٹشو سے ہاتھ اور منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"بس بس یہ سب تو ٹھیک ہے۔"

"باقی باتیں تم امی سے ڈسکس کر لو۔ ابھی چلو، پھر شام میں تمہیں پارلر بھی جانا ہوگا۔" وہ اسٹرونگ چائے کا گھونٹ بھر کر بولی۔

"کس خوشی میں؟" اس کے چتون تیکھے ہوئے۔

"اپنی چوتھی کی دعوت کی خوشی میں۔" وہ ترنت بولی۔

"میں گھر میں ہی تیار رہوں گی۔" وہ چبا چبا کر بولی۔

"ہاں اور ماشاءاللہ ایسا ہوں گی کہ سائر بھائی چیخ مار کر بھاگیں گے۔ بڑی آئیں روحانہ اقبال کی جان نشین۔ آئی لائنر تک تو لگانا آتا نہیں تمہیں۔" اس نے گھر کا۔ مگر اس کا دھیان کہیں اور اٹک گیا تھا۔ سائر اور اس کے بند فون کی جانب اس کی ناراضی کی جانب۔ اور ناراضی کی نا سمجھ میں آنے والی وجہ کی جانب۔ ماریہ نے چائے ختم کی اور اسے ساتھ لیے اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے بیٹا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔" رات بھر نیند نامہربان رہی تھی۔ ذہن مختلف سوچوں میں گھرا تھک سا گیا تھا۔ تو ایسا کیوں کر ممکن تھا کہ ذہن کی تھکاوٹ چہرے اور بے خوابی آنکھوں سے عیاں نہ ہوتی۔ گو کہ وہ اپنی جانب سے اچھی طرح شاور لے کر اور فریش ہو کر ہی ناشتے کی میز پر آیا تھا مگر کچھ آنکھیں ایسی ہوتی ہیں جو آپ کے چہرے نہیں من پڑھنا جانتی ہیں۔ ان ہی آنکھوں نے یہ سوال پوچھا تھا۔

"جی بابا' ٹھیک ہے طبیعت۔" وہ توس پر مکھن لگاتے ہوئے بولا۔

"پھر تمہارا چہرہ ستا ہوا کیوں ہے؟" انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

"بس نیند پوری نہیں ہوئی رات میں اور کوئی بات نہیں۔" وہ اپنے ازلی سنجیدہ و محتاط انداز میں بولا۔

"تو بیٹا ابھی تھوڑا اور سو لیتے تم۔ اتنی جلدی کیوں جاگ گئے۔ یوں ہی تھکے تھکے سے جاؤ گے کیا رات میں اپنی دلہن لینے۔" مہ پارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جلدی جاگنا میری عادت ہے۔ میں چاہوں نہ چاہوں' جلدی جاگ ہی جاتا ہوں۔" وہ بظاہر چائے کے گھونٹ لے رہا تھا مگر اس کا دھیان واضح طور پر کہیں اور تھا۔ یہ بات مہ پارہ بھی محسوس کیے بنا نہ رہ سکیں۔

"کیا بات ہے بیٹا! کوئی مسئلہ ہے تو ڈسکس کر لو' اپنے اعصاب پر طاری کیے کیوں بیٹھے ہو؟" وہ نرمی سے بولیں۔

"کہہ دینے سے بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔" وقار متانت سے بولے۔

کئی بار بڑھ بھی جاتا ہے بابا کئی گنا۔ اس نے من ہی من سوچا۔ تاہم بولا تو یہ کہ۔

"آپ لوگ ناحق پریشان ہو رہے ہیں میں بالکل ٹھیک ہوں ۔ دوپہر کو تھوڑی نیند لے لوں گا تو مزید فریش ہو جاؤں گا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے ویسے ڈنر کے لیے کب تک نکلنا چاہیے نو بجے تک ٹھیک رہے گا؟" مہ پارہ' وقار صاحب سے باتیں کرنے لگیں۔ وہ ان دونوں کی گفتگو سے بے نیاز چائے کے سپ لیتا ہوا نجانے کیا سوچ رہا تھا۔ اس کا اندازہ اسے بھی نہ ہو سکا۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک متوسط علاقے کے متوسط درجے کے گھر میں اتری صبح کا منظر تھا۔ سامنے لائن سے بنے تین کشادہ کمرے۔ برآمدے اور بڑے سارے صحن کے سیدھے ہاتھ پر بنے باورچی خانے' غسل خانے پر مشتمل اس گھر کے مکینوں کے مزاج میں شرافت سادگی اور اخلاص بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ شیخ عبدالحمید جن کی محلے ہی میں چلتی ہوئی پرچون کی دکان تھی۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند سیدھے سادے آدمی تھے۔ باریش' سرخ و سفید چہرہ۔ محلے میں ان کی بڑی عزت تھی۔ ان کی شریک حیات بی بی رقیہ بڑی نیک اطوار' نیک سیرت اور باپردہ خاتون تھیں۔ قاسم ان کا بڑا بیٹا بی اے کرنے کے بعد اپنے والد کی دکان سنبھال رہا تھا۔ ہاشم ابھی میٹرک میں تھا۔ قاسم کے بعد نازو' چندا اور مانو تھیں۔ نازو انٹر کے بعد تعلیم کو خیرباد کہہ چکی تھی۔ اب گھر کے کاموں میں ہمہ وقت مصروف دکھائی دیتی۔

اس کی نسبت اس کے ماموں زاد سے طے تھی۔ مانو اور چندا بالترتیب کالج کے پہلے اور دوسرے سال میں تھیں۔ مانو خاصی پڑھاکو لڑکی تھی۔ جبکہ چندا۔
اس کا دل زیادہ تر غیر نصابی سرگرمیوں میں لگتا۔ کالج کا کوئی بھی رنگارنگ ایونٹ ہو اس کے بغیر ادھورا تھا۔

گھر کے تمام افراد خانہ صحن میں بچھی دری پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

"ارے کوئی چندا کو تو آواز دو۔ اس نے نہیں کرنا کیا ناشتہ؟" شیخ صاحب نے رات کی روٹی چائے سے نگل کر پریشانی سے کہا۔

"وہ شہزادی تیار تو ہو جائے پہلے۔" بی بی نے کچھ بے زاری سے سر جھٹکا۔

"گھر کے تمام افراد خانہ کو ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا چاہیے اس سے برکت ہوتی ہے۔" وہ نرم روی سے ناصحانہ انداز میں بولے۔

"سب ہی ساتھ کھاتے ہیں سوائے اس شہزادی کے۔ ان نیک بختوں سے زیادہ آپ کی نصیحتوں کی ضرورت اس مہارانی کو ہے۔" وہ ناپسندیدہ لہجے میں بولیں۔

"اری نیک بخت۔۔۔؟ نہ اس کے لیے ایسا کڑوا لہجہ اختیار کیا کر۔ جب اللہ سائیں نے اس کا مزاج ہی دوسرے طرح کا بنایا ہے تو اسے سمجھانا اور سکھانا بھی دوسرے طریقے سے پڑے گا۔ بس کچھ نازک مزاج ہے میری چنداؤں کی بری نہیں۔ یوں اسے جھڑک جھڑک کر اس کا دل نہ میلا کیا کر۔"

"اوئی اللہ۔" بی بی گویا کرنٹ کھا کر اچھلیں "تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میری وجہ سے وہ بگڑے مزاج کی بن گئی ہے۔ اس میں بھی میری ہی کوتاہی ہے۔ واہ شیخ صاحب واہ! خوب انصاف ہے آپ کا۔ ارے۔ میں ماں ہوں اس کی۔ میں اسے بگاڑوں گی۔" وہ روہانسے لہجے میں بولیں۔ شیخ صاحب گڑبڑا گئے۔

"اری میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ صفائی دینے والے لہجے میں بولے۔

"چھوڑیں اماں! ابا کا واقعی یہ مطلب نہیں تھا۔ چندا او چندا جلدی باہر آ کر ناشتا کرو کالج سے دیر ہو رہی ہے۔" قاسم نے گونج دار آواز میں پکارا۔ تب ہی بڑی سی کالی چادر میں ملفوف چندا بیگ تھامے باہر آئی۔

"مجھ سے نہیں کھایا جاتا صبح ہی صبح پراٹھا۔ میرے لیے ڈبل روٹی منگوالیا کریں۔" اس نے دسترخوان پر دیکھ کر نخوت سے کہا۔

"ناشکری۔۔۔ حلق میں اٹکتے ہیں کیا تیرے پراٹھے۔" اس کی بات پر بی بی بھنا گئیں۔

"ہاں اٹکتے ہیں میرے حلق میں۔ اب چلو مانو کھا چکی ہو تو۔" وہ بڑے اطمینان سے کہہ کر گھر کے بیرونی دروازے کی سمت بڑھی۔ مانو نے چپ چاپ ناشتا ختم کیا اور رسی پر پڑی اپنی سفید چادر اوڑھ کر بیگ تھامے اس کی تقلید کی۔

"خدا حافظ ابا۔۔۔" اس نے مڑ کر ابا کو کہا۔

"خدا حافظ بچیوں فی امان اللہ۔" انہوں نے ملائم آواز میں جواب دیا۔

"دیکھا شہزادی کو حلق میں رزق اٹکتا ہے اس کے۔" وہ تلملائیں۔

"چھوڑو نیک بخت۔۔۔ اب نہیں کھاتی اگر وہ کوئی چیز شوق سے تو مت زبردستی کرو۔ ہاں بھئی قاسم دکان سے روز لے آیا کرو ڈبل روٹی۔ پیسے میں ادا کر دیا کروں گا کھاتے میں مت لکھنا۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی اور دسترخوان سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نازو چپ چاپ برتن سمیٹنے لگی۔ ہاشم کو اسکول سے دیر ہو رہی تھی وہ بھی سب کو خدا حافظ کہتا دروازہ عبور کر گیا۔

"ہو بہو تمہاری چھوٹی پھوپھو کی شکل ہے۔ اپنی چھوٹی بہن کو دیوانوں کی طرح چاہتے تھے شیخ صاحب۔ جب میری شادی ہوئی ساس تو بستر سے لگی ہوئی تھیں۔ بڑی بیٹیاں بیاہی ہوئی' چاچیاں تمہاری اسے رکھنے پر تیار نہیں۔۔۔ پہلے دن ہی مجھے کہہ دیا تھا شیخ صاحب نے' رقیہ۔۔۔ میرے دل میں جگہ چاہتی ہو تو میری چندا کا خیال کرنا' ورنہ تو تمہاری اس گھر میں کوئی جگہ نہ

ہو گی۔ اپنے بچوں کی طرح رکھا اسے مگر ماں، ماں ہوتی ہے ادھر تمہاری دادی ختم ہوئیں بے چاری ایک سال میں ہی ان کے پیچھے چلی گئیں۔ برسوں غم زدہ رہے تمہارے ابا۔ تم لوگ کی پیدائش پر البتہ سنبھل گئے مگر اس نامراد کی دفعہ تو ایسے خوش ہوئے گویا ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ آگئی ہو۔ بس اسی کا فائدہ اٹھاتی ہے۔" بی بی جو کہانی سنا رہی تھیں قاسم اور نازو کے لیے نئی نہیں تھی پھر بھی چپ چاپ سنے گئے، یہاں تک کہ وہ خود ہی خاموش ہو گئیں اور قاسم اپنی دکان اور نازو برتن دھونے چل دیں۔

☆ ☆ ☆

"ماریہ۔۔۔! میں کیسی لگ رہی ہوں؟" میرب نے کچھ کنفیوز ہو کر ماریہ سے دریافت کیا۔ وہ ابھی ابھی ڈرائنگ روم سے نکل کر ڈنر کے انتظامات وغیرہ کا جائزہ لینے کی غرض سے باہر آئی تھی کہ اس کے پیچھے میرب چلی آئی۔

"ہزاروں روپے پارلر میں جھونک کر تمہیں اچھا ہی لگنا ہے۔ اچھی بلکہ بہت اچھی لگ رہی ہو۔" وہ رکھی کو برتن لگانے کی ہدایت کر کے اس کی جانب پلٹ کر بولی۔

"واقعی اچھی لگ رہی ہوں نا؟" اسے نجانے کیوں اطمینان نہیں ہوا تھا۔

"اُفوہ" وہ جھنجلا گئی۔ "کیا سائر بھائی کی آنکھوں نے نہیں بتایا کہ تم بہت اچھی لگ رہی ہو جو یوں پوچھتی پھر رہی ہو۔ اب جا کر بیٹھو اپنے سسرالیوں کے پاس۔ میں ذرا ٹیبل لگوا کر آتی ہوں سب کو بلانے۔" وہ مصروف سے انداز میں بولی۔

"میں مدد کرواؤں؟" وہ اندر نہ جانے کے لیے یوں ہی بولی۔

"یار۔۔۔ ضرورت ہی نہیں ہے ابھی میں کر لوں گی سب کچھ مگر بہت جلد ہی تمہیں بدلہ چکانے کا موقع ملنے والا ہے، تب یوں خالی نہیں بیٹھنے دوں گی۔" وہ دھمکانے لگی تو میرب خوشدلی سے اس کا اشارہ سمجھ کر ہنس دی۔

"ضرور۔۔۔ ضرور۔"

وہ ناچار ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ وہاں اس وقت میرب اور سائر کی فیملی کے علاوہ ماریہ کی فیملی بھی براجمان تھی۔ ماریہ کی امی سعدیہ، مہ پارہ کے ساتھ بیٹھی میرب ہی کی باتیں کر رہی تھیں۔ مہ پارہ کو ان کا میرب سے لگاؤ اچھا لگا، جبکہ وقار اس کے اور ماریہ کے والد وغیرہ ایک طرف بیٹھے ہمیشہ کی طرح ملکی حالات وغیرہ پر تبصرہ کر رہے تھے۔ سائر، حاشر اور سعد نجانے کون سا مسئلہ ڈسکس کر رہے تھے۔ وہ بے زار بیٹھی اجیہ کے پاس ٹک گئی۔

"بھابھی یو آر لکنگ سو بیوٹی فل۔۔۔ میک اپ کہاں سے کروایا ہے آپ نے؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔ واقعی موو اور گولڈن کلر کے لانگ فراک اور پاجامے میں نوک پلک سے درست وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کی نگاہ بے ساختہ سنجیدہ بیٹھے سائر کی جانب اٹھی۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مگر یہ نگاہیں ستائشی یا پرشوق نہیں تھیں۔ وہ اسے دیکھ کر دھیمے سے مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں اپنائیت تھی جواباً اس کے خوب صورت لبوں پر جو چیز نمودار ہوئی وہ مسکراہٹ کے علاوہ سب کچھ تھی۔

"اچھی تو تم بھی بہت لگ رہی ہو۔" اس نے پیار سے اس کا دودھیا گال تھپتھپایا۔ واقعی شاکنگ پنک اور لائٹ پنک لانگ شرٹ ٹراؤزر میں وہ کوئی اپسرا ہی لگ رہی تھی۔ تب ہی تو بار بار عاشر کی نگاہیں چوری کا ارتکاب کر رہی تھیں۔ تب ہی ماریہ نے کھانا لگنے کا اعلان کیا۔ وہ لوگ ڈائننگ ٹیبل تک آئے۔ خوش گوار ماحول میں کھانے کا آغاز ہوا۔

"یہ روسٹ لیں سائر" سعد نے قاب اس کے نزدیک رکھ کر اخلاق سے کہا۔

"آپ زحمت مت کریں، مجھے جو چیز درکار ہو گی، میں لے لوں گا۔" سائر نے کچھ ایسی رکھائی سے کہا کہ سعد کے لب یک دم بھنچ گئے۔ میرب بے دلی سے لقمے لینے لگی۔ بالآخر کھانا تمام ہوا۔ پھر قہوے کا دور چلا اور آخر

میں واپسی۔

میرب کا سامان سعد اور عاشر نے گاڑی میں رکھ دیا۔ وہ اپنے بابا کے گلے لگی 'اپنا خیال رکھنے کی تاکید کرتی رہی۔ سب ایک دوسرے سے الوداعی کلمات کہنے لگے۔ مہ پارہ نے شاندار ڈنر پر سعدیہ بیگم کا بہ طور خاص شکریہ ادا کیا۔ اور انہیں بھی جلد ہی اپنے ہاں آنے کی دعوت دے ڈالی۔ میرب نے سعدیہ بیگم اور ماریہ دونوں ہی کا شکریہ ادا کیا۔ حسب معمول وہ خفگی دکھانے لگیں۔

"چلو بھئی میرب... بیٹھ بھی جاؤ گاڑی میں۔" عاشر نے ٹوکا تو وہ اس کے کندھے سے آلگی۔

"اللہ حافظ۔" نم آنکھوں سے عاشر نے اسے الوداع کہا اور گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ملے جلے احساسات میں گھری گاڑی میں آبیٹھی۔ گاڑی سائر ہی ڈرائیو کررہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ کی سیٹ پر تھی اس نے کن انکھیوں سے سائر کو دیکھا۔ وہ ہنوز سنجیدگی و بے گانگی کا نمونہ محسوس ہوا۔ وہ گردن موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ وقار اور مہ پارہ آپس میں یہاں وہاں کی باتیں کررہے تھے جبکہ اجیہ اپنے سیل پر مسیجنگ میں مصروف تھی۔

راستہ یونہی تمام ہوا گھر پہنچ کر سب اپنے اپنے کمروں کی جانب بڑھ گئے۔ اس کا سامان کار سے شریف نکال کر اس کے کمرے میں رکھ گیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کمرے میں چلی آئی اور چپ چاپ آکر صوفے پر بیٹھ گئی۔ سائر ڈریسنگ روم سے ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں برآمد ہوا۔ وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھا۔ وہ اس سے ناراض تھا' وجہ بتائے بغیر اور یہ چیز اسے جھلاہٹ میں مبتلا کررہی تھی۔ وہ سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر ٹیرس پر جانے لگا۔

"سائر..." تب ہی وہ بے ساختہ پکار بیٹھی۔ وہ رکا مگر پلٹا نہیں۔

"کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" وہ کچھ جھجک کر بولی۔ اب کی بار وہ پلٹا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگا؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھنے لگا۔

"کیوں کہ آپ کا رویہ میرے ساتھ نارمل نہیں ہے۔" وہ جتانے والے انداز میں بولی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو تم... ایب نارمل ہوں میں۔" وہ درشتی سے پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

"خدانخواستہ" وہ سرعت سے بولی۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا۔" وہ سر اٹھائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔

"سیدھا سا سوال ہے میرا کہ آپ اگر مجھ سے خفا ہیں تو اس کی وجہ کیا ہے۔ مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اس کی نشاندہی کیجیے۔ اس طرح خاموش رہنے سے تو بات نہیں بنے گی۔" وہ پریشان کن لہجے میں بولی۔ یک لحظہ سائر نے اس کے چہرے کی جانب بغور دیکھا گویا اس کی بات کی گہرائی جانچی تھی۔

"میں ٹیرس پہ ہوں... چلو" وہ کہہ کر ٹیرس کی طرف چلا گیا۔ ٹھنڈی سانس بھر کر میرب نے تقلید کی۔ اس نے سگریٹ سلگا کر ایک گہرا کش لیا اور دھواں فضا میں بکھیر دیا پھر غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے بولا۔

"میں نے شادی کی رات ہی تم پر واضح کردیا تھا کہ میرے نزدیک عورت کی خوب صورتی کی کوئی ویلیو نہیں مجھے اس کا کردار اٹریکٹ کرتا ہے' مگر لگتا ہے بات تمہارے سمجھ میں نہیں آئی۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

"آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں' میں سمجھ نہیں پارہی۔" میرب نے واقعی الجھ کر اسے دیکھا۔

"میں صاف لفظوں میں بتا رہا ہوں مجھے لڑکوں سے تمہاری بے تکلفی بالکل پسند نہیں۔ اب سمجھ میں آگئی بات۔" اس نے فضا میں تکتے تکتے اچانک ہی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"یہ کیسی بات کررہے ہیں آپ میں بھلا کب کسی لڑکے سے بے تکلف ہوئی؟" ناگواری کی ایک شدید لہر

اس نے اپنے رگ وپے میں اترتی محسوس کی۔
"سعد لڑکا نہیں ہے؟" وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔
"سعد؟" میرب نے تعجب سے دہرایا' اس کا یہاں کیا ذکر؟" وہ بھی تمسخرانہ انداز میں بولی۔
"ذکر تو اس وقت اسی کا ہو رہا ہے۔" وہ زور دے کر بولا۔
"مگر کیوں؟ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔" شدید پریشانی کے زیر اثر وہ بولی۔
"بات اتنی پیچیدہ بھی نہیں کہ تم سمجھ ہی نہ سکو.... اس کی تمہارے ساتھ بے تکلفی مجھے بالکل پسند نہیں' اب آگئی بات تمہاری عقل میں یا ابھی بھی کسی تشریح کی گنجائش ہے۔" وہ اسے دیکھتا ہوا طنز آمیز لہجے میں بولا۔
"مگ... مگر وہ تو میرے بھائیوں کی طرح ہے۔" اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ یہ فضول بات سن کر کس طرح کے رد عمل کا مظاہرہ کرے۔
"تمہارا ایک بھائی ہے' کیا وہ تمہارے لیے کافی نہیں؟" وہ کرختی سے بولا۔
"لیکن ہمارے مابین تو بچپن سے بہت بے تکلفی اور دوستی ہے یہ اور بات کہ اس بے تکلفی نے کبھی حد سے تجاوز نہیں کیا۔ میں تو حیران ہو رہی ہوں کہ آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں۔" وہ شدید رنجیدگی سے بولی۔
"تم میری بیوی ہو کر میرے سامنے کسی غیر کو ڈیفینڈ کر رہی ہو....." وہ یخ بستہ لہجے میں مستفسرانہ نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہنے لگا۔
"نہیں....." وہ بوکھلائی۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اچھا ٹھیک ہے اگر آپ کو اس بے تکلفی پر اعتراض ہے تو میں آئندہ خیال رکھوں گی۔" وہ اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے جلدی سے بولی۔ دینے کو اس کے پاس بہت سے دلائل تھے اور وہ دے بھی دیتی مگر اچانک ہی اس پر منکشف ہوا تھا کہ وہ جتنی وضاحت کرتی' وہ مزید خدشات میں گھرتا جاتا اور وہ اتنی ناسمجھ اور بے وقوف ہرگز نہیں تھی کہ اس "نان ایشو" پر اپنی شادی کے محض دو ہفتے بعد ہی جھگڑا کھڑا کرلیتی۔ نیا نیا تعلق تھا ایک دوسرے کو سمجھنے میں ایک دوسرے پر اعتماد کرنے میں وقت تو لگنا تھا اور پھر یہ بھی تھا کہ سائر نیا نیا شوہر بنا تھا' سو اس لحاظ سے بھی اس کے لیے خود غرض ہو رہا ہوگا۔ بس یہی سب سوچ کر اس نے اس بات پر مزید بحث مناسب نہیں سمجھی۔ چند ثانیے سائر اس کی جانب کھوجتی نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر یک دم بولا۔
"اٹس او کے' جاؤ.... چینج کرلو۔"
"او کے۔" وہ مڑ کر اندر جانے لگی۔
سائر کی پرسوچ نگاہیں کالی سیاہ چادر پر چمکتے نگینوں پر تھیں اور اس کے ماتھے پر ابھری رگ اس کی سوچ کی گہرائی کی غمازی کر رہی تھی۔ رات بھیگ رہی تھی اور وہ جھلس رہا تھا ان دیکھی آگ میں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)